بسم اللہ الرحمن الرحیم

امام اوزاعیؒ کا علمی مقام

اور

بین الاقوامی مسائل پر ان کے اجتہادات

اختر امام عادل قاسمی

مہتمم جامعہ ربانی منورواشریف، سمستی پور

شائع کردہ

مفتی ظفیر الدین اکیڈمی، جامعہ ربانی منورواشریف

حضرت امام ابو عمرو عبدالرحمٰن الاوزاعیؒ (ولادت ۸۸ سنہ ھ وفات ۱۵۷ سنہ ھ) دوسری صدی ہجری کی نابغہ روزگار شخصیتوں میں ہیں، جنھوں نے اپنے عہد پر بہت گہرے اثرات ڈالے، اور جن کے علم و فضل کی شہادت بڑے بڑے علماء اور اعیان وقت نے دی۔

امام اوزاعیؒ کے عہد میں سیاسی انقلابات

امام اوزاعیؒ نے کئی اسلامی خلفاء اور حکمرانوں کا زمانہ پایا، خلافت بنی امیہ کا عروج بھی دیکھا اور اس کا زوال بھی، خلفاء بنی امیہ میں ولید بن عبدالملک (م ۹۶ سنہ ھ) سے مروان بن محمد (م ۱۳۲ سنہ ھ) تک مسلسل سات خلفاء کا زمانہ دیکھا،[1] اس کے بعد خلافت عباسیہ کا دور شروع ہوا اور پھر ابوالعباس السفاح (م ۱۳۶ سنہ ھ) اور ابو مسلم خراسانی (م ۱۳۷ سنہ ھ) جیسے خلفاء اور سالاروں نے بنو امیہ کے قصر خلافت کی اینٹ سے اینٹ بجا کر رکھ دی، اور مؤاخذہ وانتقام کے ایسے ایسے مظاہرے ہوئے

---

[1] – سير اعلام النبلاء ج۷ص۱۰۹ للامام شمس الدين محمد بن أحمد بن عثمان الذهبي المتوفى 748 ه 1374 م الجزء الاول أشرف على تحقيق الكتاب وخرج أحاديثه * حقق هذا الجزء شعيب الارنؤوط * حسين الاسد مؤسسة الرسالة ،الطبعة التاسعة 1413 ه 1993 م مؤسسة الرسالة بيروت – شارع سوريا – بناية صمدي وصالحة۔

جس سے اسلامی حکمرانی کی تاریخ اب تک نا آشنا تھی، اور یہ سب کچھ امام اوزاعیؒ کی آنکھوں کے سامنے ہوا، خلافت عباسیہ کی تاریخ ابو العباس السفاح سے شروع ہوتی ہے، امام اوزاعیؒ اس وقت تک بہت با اثر ہو چکے تھے، سفاح کے بعد خلافت پر اس کا چچا عبداللہ بن علی ناجائز طور پر قابض ہو گیا، بڑی مشکل سے یہ خلافت ابو جعفر منصورؒ (م ۱۵۸ھ) کو ملی، اس میں امام اوزاعیؒ کی مساعی کا بھی بڑا دخل تھا ، اور منصور ہمیشہ ان کا احسان مند رہا[2]، منصور کے دور خلافت ہی میں امام اوزاعی کا انتقال ہوا، یعنی خلافت بنی امیہ سے خلافت عباسیہ تک پورے دس حکمرانوں کا زمانۂ حکومت آپ نے دیکھا، بہت سے سرد و گرم چکھے، بے شمار تجربات ہوئے ، اور نظر و فکر میں وسعتیں پیدا ہوئیں۔

علمی و دینی عروج واقبال کا دور

یہ تو سیاسی حکمرانی کا حال ہے، آپ کے دور میں علم و کمال اور زہد و تقویٰ کی فراوانی کا بھی یہی حال تھا، پورا عہد علماء و محدثین اور اصحاب کمال سے لبریز تھا ، اسلام کی علمی تاریخ کا یہ سب سے خوبصورت دور تھا، چشم فلک نے صفحۂ گیتی پر اہل علم اور اصحاب فضل و کمال کی بیک وقت اتنی بڑی تعداد اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی ، اور نہ اس کے بعد کبھی یہ حسرت پوری ہوئی، اسی لئے تاریخ میں بجا طور پر اس دور کو عصر اجتہاد کہا جاتا ہے، آج جن بڑی ہستیوں کا نام لیا جاتا ہے

---

[2] التاریخ الاسلامی والحضارۃ الاسلامیۃ ج۳ ص۸۱ دکتور احمد شلبی۔

، تقریباً وہ سب اس دور میں موجود تھیں، مثلاً:

☆ کوفہ میں:۔ حضرت ابراھیم النخعیؒ (۴۶ – ۹۶ھ)، حضرت حماد بن ابی سلیمانؒ (۱۲۰ سنہ ھ)، حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ (۸۰ سنہ ھ – ۱۵۰ سنہ ھ)، سفیان ثوری (۹۷ سنہ ھ – ۱۶۱ سنہ ھ)۔

☆ بصرہ میں:۔ حضرت حسن بصری (۲۱ سنہ ھ – ۱۱۰ سنہ ھ)، حکم بن عتیبہؒ (۱۱۳ سنہ ھ)

☆ شام میں:۔ مکحول الشامی (۱۱۲ سنہ ھ)

☆ مکہ معظمہ میں:۔ عطا بن ابی رباحؒ (۲۷ سنہ ھ – ۱۱۴ سنہ ھ)، سفیان بن عیینہؒ (۱۰۷ سنہ ھ – ۱۶۱ سنہ ھ)۔

☆ مدینہ منورہ میں:۔ ربیعۃ الرائیؒ (۱۳۶ سنہ ھ)، امام مالکؒ (۹۳ سنہ ھ – ۱۷۹ سنہ ھ)۔

☆ یمن میں:۔ طاؤس بن کیسانؒ (۳۳ سنہ ھ – ۱۰۶ سنہ ھ)

☆ اور مصر میں:۔ لیث بن سعدؒ (۹۳ سنہ ھ – ۱۷۵ سنہ ھ)، یزید بن ابی حبیبؒ (۵۳ سنہ ھ – ۱۲۸ سنہ ھ)۔

☆ امام شافعیؒ کی عمر امام اوزاعیؒ کی وفات کے وقت سات سال کی تھی، امام احمد بن حنبلؒ ان کی وفات کے سات سال کے بعد پیدا ہوئے، اہل خراسان کے امام اسحاق بن راہویہؒ ان کی وفات کے ۴ / سال کے بعد پیدا ہوئے، اور امام محمد بن جریر طبریؒ ان کی وفات کے سد ۔ ۔ ۔ ھ ر (۷۷) سال بعد پیدا ہوئے، وغیرہ۔

امام اوزاعیؒ کے علم وکمال کا اعتراف

ایسے مبارک دور میں اور ایسے ممتاز اصحاب کمال کی موجودگی میں امام اوزاعیؒ نے خداداد صلاحیت اور بے پناہ علم وکمال کی بدولت اپنا ایک ممتاز مقام بنایا، اور اپنے علم و عمل، زہد و تقویٰ، احتیاط اور قوت ایمانی کی بنا پر ایسی انفرادیت حاصل کی کہ ایک زمانہ نے اس کا اعتراف کیا مثلاً: ☆اسحاق بن راہویہ کہتے تھے : جس مسئلہ پر امام ثوریؒ، امام اوزاعیؒ اور امام مالکؒ متفق ہو جائیں اس کے سنت ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔[3] ☆عبدالرحمن بن مہدیؒ فرماتے ہیں: چار حضرات امام زمانہ تھے: ۱ –کوفہ میں سفیان ثوریؒ، ۲ -حجاز میں امام مالکؒ، ۳ -شام میں امام اوزاعیؒ، ۴ -بصرہ میں حماد بن زید۔[4]

☆یحیٰ بن معینؒ کا قول ہے: علماء چار ہیں- امام ثوریؒ، امام ابو حنیفہؒ ،امام مالکؒ، اور امام اوزاعیؒ۔[5]

☆ ابواسحاق فزاریؒ نے کہا: امام اوزاعیؒ عام انسانوں کے رہنما تھے

---

[3] سیر اعلام النبلاء ج ۷ ص ۱۱۶ ، مختصر تاريخ دمشق ج ۱۴ ص ۳۲۱المؤلف : محمد بن مكرم بن منظور الأفريقي المصري (المتوفى : 711هـ)(الشاملة)

[4] - تهذيب الكمال ج ۱۷ ص ۳۱۳ المؤلف : جمال الدين أبو الحجاج يوسف بن عبد الرحمن المزي (المتوفى : 742هـ) مؤسسة الرسالة الطبعة الرابعة 1406 – 1985 م ، سير اعلام النبلاء ج ۷ ص ۱۱۳ ،مختصر تاريخ دمشق ج ۱۴ ص ۳۲۰ ،

[5] - البداية والنهاية ج۱۰ص۱۱۶ المؤلف : أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي الدمشقي (المتوفى : 774هـ)داراحياء التراث العربى طبعة جديدة محققة الطبعة الاولى 1408ه. 1988 م

،اگر مجھے اس امت کے لئے امام وخلیفہ کے انتخاب کا اختیار رہوتا تو میں امام اوزاعیؒ کو منتخب کرتا[6] ۔

☆ ولید بن مسلم کہتے ہیں کہ :میں نے امام اوزاعیؒ سے زیادہ عبادت گذار نہیں دیکھا[7]

☆ابرہیم بن محمد الفزاریؒ فرماتے ہیں :اگر امت کو سخت مشکل پیش آئے اور اوزاعی ان کے درمیان موجود ہوں توسارے لوگ ان کی طرف رجوع کریں گے[8] ۔

☆ رشد بن سعدؒ کہتے ہیں کہ :ایک بار مشہور صوفی بزرگ حضرت ابراہیم بن ادہمؒ کا گذر امام اوزاعیؒ کی درسگاہ سے ہوا،انہوں نے علماء اور طلبہ کا جم غفیر دیکھا تو حیرت سے فرمایا: اگر حضرت ابوہریرہؓ کے پاس اتنا بڑا حلقہ ہوتا تو وہ بھی عاجز آجاتے[9]

عوامی مقبولیت

امام اوزاعی بلا تفریق مذہب وملت ہر طبقہ میں بے حد مقبول تھے،ان کی محبت ،رحمدلی،دیانت،انابت الی اللہ،عزم راسخ ،قوت ایمانی،جرأت وعزیمت

---

[6] ۔ سیر اعلام النبلاء ج ۷ ص ۱۱۳

[7] ۔ سیر اعلام النبلاء ج ۷ ص ۱۱۹ ، البدایۃ والنہایۃ ج ۱۰ ص ۱۱۷ ،

[8] ۔،مختصر تاریخ دمشق ج ۱۴ ص ۳۲۰،

[9] ۔، البدایۃ والنہایۃ ج ۱۰ ص ۱۳۷ ،

،وفور علمی اور تواضع وانکسار نے ان کو محبوب خاص وعام بنادیا تھا،خاص طور پر شام میں ان کو جو مقبولیت حاصل ہوئی وہ ان کے بعد کسی کے حصے میں نہیں آئی ،کہتے ہیں کہ ان کی وفات کی خبر سے پورے شام میں کہرام مچ گئی اور جنازہ میں وہ ازدحام ہوا جو حد شمار سے باہر تھا، مسلمان تو مسلمان ،یہود ونصاریٰ اور قبطی بھی اس کاروان غم میں شریک تھے ،سب بے حد غمزدہ اور آنکھوں سے آنسو رواں تھے، کسی کی موت پر اقوام وملل کا ایسا اجتماعی کرب وغم تاریخ نے بہت کم دیکھا ہے [10]،امام اوزاعیؒ کی اسی مقبولیت عامہ اور علمی و عملی مقام نے منصور کے لئے خلافت کی راہ آسان کی ،اور بعد کے امراء اور گورنر بھی ہمیشہ امام اوزاعیؒ کا لحاظ کرتے رہے،اور ان کے ساتھ کسی بے احترامی کے روادار نہ ہوئے [11]،

امام اوزاعیؒ ایک مستقل مسلک فقہی کے بانی

امام اوزاعیؒ امام اہل الشام کے نام سے شہرت رکھتے ہیں،وہ ایک مستقل مسلک فقہی کے بانی اور امام ہیں،ان کا قیام ملک شام میں تھا اس لئے قدرتی طور پر اہل شام نے ان کے مسلک کو قبول کیا،بڑے بڑے علماء و محدثین حلقۂ تلمذ میں داخل ہوئے،مثلاً:ابواسحاق الفزاریؒ(جو امام اوزاعی کے بعد امام اہل الشام ہوئے)، اسماعیل بن عبداللہ بن سماعہؒ،سفیان ثوریؒ،سعید بن عبدالعزیزؒ،شعبۃ بن

---

10 -- سیر اعلام النبلاء ج ۷ ص ۱۲۷ ،

11 - البدایۃ والنہایۃ ج ۱۰ ص ۱۲۰ ، سیر اعلام النبلاء ج ۷ ص ۱۲۶ ، مختصر تاریخ دمشق ج ۱۴ ص ۳۳۹ ،

الحجاجؒ،ولید بن مزیدؒ،اور عبداللہ بن المبارکؒ،یحیٰ بن یحیٰ الغسانیؒ وغیرہ [12] ،ان میں سے کئی حضرات آپ کے مسلک فقہی کے زبردست وکیل رہے، آپ کا مسلک فقہی اوزاعیۃ کے نام سے مشہور ہوا۔

مسلک اوزاعی شام اور اندلس تک محدود رہا

تاریخ میں ہے کہ بلاد شام میں تقریباً دوسو بیس (۲۲۰)سال تک مسلک اوزاعی کی حکمرانی رہی ،اس دوران امامت وخطابت اور افتاء وقضاء کا منصب مسلک اوزاعی کے حامل علماء کے لئے مخصوص تھا، [13] ۔۔۔۔

اس دور کے مشہور اوزاعی فقہاء میں مفتی دمشق یحیٰ بن یحیٰ الغسانی

---

[12] - تسمية فقهاء الأمصار من أصحاب رسول الله ومن بعدهم ج ١ ص ١٣٠ ،المؤلف : أحمد بن شعيب أبو عبدالرحمن النسائي
الناشر : دار الوعي – حلب الطبعة الأولى ، 1369 تحقيق : محمود إبراهيم زايد عدد الأجزاء : 1

[13] - البداية والنهاية ج ١٠ ص ١١٥ ، طبقات الشافعية الكبرى ج ١ ص ٣٢٦ المؤلف : تاج الدين عبد الوهاب بن تقي الدين السبكي (المتوفى : 771هـ) عدد الأجزاء : 10، مجموع الفتاوى ج ٢٠ ص ٥٨٣ المؤلف : تقي الدين أبو العباس أحمد بن عبد الحليم بن تيمية الحراني (المتوفى : 728هـ) المحقق : أنور الباز – عامر الجزار الناشر : دار الوفاء الطبعة : الثالثة ، 1426 هـ / 2005 م

(۱۳۵ھ) کا نام ملتا ہے[14]۔

اسی طرح قاضی رملہ ابوزرعہ دمشقیؒ بھی فقہ میں امام اوزاعیؒ کی طرف میلان رکھتے تھے[15]، لیکن بعد میں یہ اس سے منحرف ہوگئے اور مسلک شافعی کے مطابق فیصلے کرنے لگے، بلکہ کچھ اس قدر متشدد ہوئے کہ مسلک شافعی کی مشہور کتاب مختصر المزنی حفظ کرنے والوں کو ایک ایک سو (۱۰۰) دینار انعام کے طور پر دیتے تھے، یہیں سے مسلک اوزاعی کا زوال شروع ہوا، اور شام میں مسلک شافعی پھیل گیا[16]۔

اس سلسلہ کا آخری نام قاضی دمشق احمد بن سلیمان بن ایوب بن حذلم الاسدیؒ (م ۳۴۷ھ) ہے، جامع دمشق میں ان کا بڑا حلقۂ درس تھا، ان کے بعد پھر

---

14 -طبقات الفقهاء ج ١ ص ٧٢ المؤلف : أبو اسحاق إبراهيم بن علي الشيرازي (المتوفى : 476هـ) هذبهُ : محمد بن مكرم ابن منظور (المتوفى : 711هـ) المحقق : إحسان عباس الطبعة : 1 تاريخ النشر : 1970 الناشر : دار الرائد العربي عنوان الناشر : بيروت – لبنان

15 - تاريخ بغداد ج ١٠ ص ٢٦٥،المؤلف : أبو بكر أحمد بن علي بن ثابت الخطيب البغدادي (المتوفى : 463هـ)(الشاملة)

16 ـ طبقات الشافعية ج ٢ ص ١٠٢، البداية والنهاية ج ١١ ص ١٢٢ ـ

دمشق میں مسلک اوزاعی کا کوئی حلقۂ درس قائم نہیں ہوا[17]۔

اسی طرح اندلس اور بلاد مغرب میں بھی کچھ برسوں تک مذہب اوزاعی سرکاری مذہب کے طور پر جاری رہا، ابتدائی صدیوں میں کئی سو سال تک یہاں مذہب حنفی کی حکمرانی رہی ہے، لیکن بعد میں کچھ سیاسی مصالح کے پیش نظر مذہب حنفی کی جگہ پر مذہب اوزاعی کو فروغ ہوا اور تقریبا چالیس (۴۰)تک مذہب اوزاعی وہاں چھایا رہا[18]۔

اسی دور کے مشہور فقہاء میں ایک نام عبدالملک بن الحسین (م ۲۳۲ھ) کا ہے ،جو حضرت ابورافعؓ مولیٰ رسول اللہ ﷺ کی نسل سے تھے ،یہ مسلک اوزاعی کے ممتاز علماء میں تھے ،لیکن بعد میں جب یہ طلیطلہ کے قاضی بنے اس مسلک کو چھوڑ کر انہوں نے مسلک مالکی اختیار کرلیا،اور پھر آہستہ آہستہ مختلف اسباب ووجوہ کے تحت مسلک مالکی پورے دیار مغرب میں پھیل گیا،اور بڑے بڑے مالکی فقہاء ان علاقوں میں پیدا ہوئے،اور مسلک اوزاعی ناپید ہو گیا[19]۔

---

[17] - النجوم الزاهرة في ملوك مصر والقاهرة ج ٣ ص ٣٢٠ المؤلف : ابن تغري بردي ، جمال الدين يوسف بن عبد الله (المتوفى : 74هــ) وطبع الكتاب كاملاً في القاهرة سنة 1963م في ثمانية مجلدات ضخم ،

[18] - البداية والنهاية ج ١٠ ص ٢٠٩۔

[19] -الديباج المذهب في معرفة أعيان علماء المذهب ج ١ ص ١٥٧ المؤلف : إبراهيم بن علي بن محمد، ابن فرحون، برهان الدين اليعمري (المتوفى : 799هــ))(الشاملة)

حیات اوزاعیؒ کے نشیب وفراز

اس طرح مذہب اوزاعی کو بہت زیادہ پھیلنے کے مواقع نہ مل سکے ،اور طاقتور شروعات کے باوجود آہستہ آہستہ یہ سمٹتا چلا گیا،ان کے مسلک کے عروج وزوال میں ان کی زندگی کا عکس ملتاہے:-

☆ایک وقت تھا کہ ان کے وسیع تر حلقۂ درس کو دیکھ کر حضرت ابراہیم بن ادہمؒ کو رشک آگیا تھا،اور شام کے بڑے بڑے امراء ان کے اثر ورسوخ اور عوامی مقبولیت سے گھبراتے تھے،[20]

☆فقہی مہارت کا حال یہ تھا کہ پچیس سال (۲۵)کی عمر سے ہی کار افتاء شروع فرمادیا تھا[21]۔

☆دنیاان کی فصاحت وبلاغت اور حسن خط کالوہامانتی تھی،ان کی زبان سے نکلے ہوئے جملے ضرب الامثال کی طرح مشہور ہو جاتے تھے،زمانۂ حج میں علماؤ محدثین کا ان کے گرد اس قدر ازدحام ہوتا تھا،کہ کسی کے بارے میں کوئی جملہ ارشاد فرمادیاتو وہ عالم اسلام کے آخری حدود تک پہونچ جاتا تھا،حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام محمد بن الحسن الشیبانیؒ بھی ان کے جملوں کی زد سے محفوظ

---

20 ۔ مختصر تاریخ دمشق ج ۱۴ ص ۳۳۹ ،

21 ۔۔ مختصر تاریخ دمشق ج ۱۴ ص ۳۱۶ ،۔ البدایۃ والنہایۃ ج ۱۰ ص ۱۱۶۔

نہیں رہ سکے تھے ،امام ابو حنیفہؒ کے امام اوزاعیؒ سے ہونے والے مناظرات اور امام محمدؒ کی کتاب السیر اس کے بہترین گواہ ہیں ،۔۔۔مناظرہ میں ید طولیٰ حاصل تھا،امام ابو حنیفہؒ سے بھی ان کے کئی مناظرے مشہور ہیں ،۔۔۔تقریر ایسی فصیح وبلیغ اور اثر انگیز کرتے تھے کہ مجمع میں کوئی انسان اپنے اوپر قابو نہیں رکھ سکتا تھا ۔[22]

خطوط میں جملے ایسے جچے تلے لکھتے کہ شاہی درباروں کے بلند اقبال منشی اور خوش نویس ان کی نقلیں اتارنے میں فخر محسوس کرتے ،اور شہنشاہ وقت منصور ان کے خطوط کو اپنے سامنے رکھ کر ان کے لکھے ہوئے جملوں سے لذت حاصل کرتا تھا[23]۔۔۔

لیکن پھر ان کی زندگی میں وہ وقت بھی آیا کہ ابو مسہرؒ فرماتے ہیں کہ :زندگی کے آخری ایام میں امام اوزاعیؒ اپنی حق گوئی کی بناپر بالکل تنہا رہ گئے تھے ،ان کے پاس ایک شخص بھی بیٹھنے والا نہ تھا،اور اس وقت تک ان کی موت نہ آئی جب تک کہ ان کے کان گالیوں سے بھر نہیں گئے،[24] یہی حال ان کے مسلک فقہی کا ہوا،شام کے علاقہ میں بڑی تیزی کے ساتھ پھیلا،جس کے اثرات بعد میں بلاد مغرب تک پہونچ گئے،لیکن دوسو(۲۰۰) سال ہی گذرے تھے کہ

---

[22] ۔ سیر اعلام النبلاء ج ۷ ص ۱۱۰ ،

[23] ۔ البدایۃ والنہایۃ ج ۱۰ ص ۱۱۶۔

[24] ۔ مختصر تاریخ دمشق ج ۱۴ ص ۳۳۹

اس نے اپنے بال وپر سمیٹنے شروع کر دیئے ۔۔۔اس دوران بڑے بڑے علماء وفقہاء ان کے حلقۂ تقلید میں داخل ہوئے ، مگر مذہب اوزاعی کی با قاعدہ تدوین عمل میں نہ آسکی ،جبکہ امام اوزاعیؒ اُن اولین علماء وفقہاء میں ہیں جنہوں نے علم کے جمع وتدوین اور تصنیف وتالیف کی طرف توجہ فرمائی،خاص طور پر شام میں اس معاملہ میں ان سے کوئی سبقت نہیں رکھتا[25]۔

خود انہوں نے کئی کتابیں تصنیف کیں:

ا ۔الرد علیٰ سیر ابی حنیفہؒ، ۲ ۔السنن فی الفقہ، ۳ ۔المسائل فی الفقہ، ۴ ۔مسند الاوزاعی ۵ ۔مسند الشامین وغیرہ[26] ۔

مگر آج نہ ان کا مذہب مدون حالت میں موجود ہے اور نہ ان کی تصنیفات کتابی دنیامیں میسر ہیں ،صرف تاریخ کے صفحات پر ان کی تصنیفات کا تذکرہ ملتاہے،

کتاب سیر الاوزاعی ۔بین الاقوامی مسائل پر ایک شاہکار تحریر

امام اوزاعیؒ کی صرف ایک کتاب آج دنیائے علم کو میسر ہے ،وہ ہے

---

[25] ۔ سیر اعلام النبلا ء ج ۷ ص ۱۱۱، ۱۲۸،

[26] ۔ الفهرست ج ۱ ص ۳۱۸ المؤلف : أبو الفرج محمد بن إسحاق بن محمد الوراق البغدادي المعروف بابن النديم (المتوفى : 438هـ) تحقيق رضا – تجدد حقوق الطبع محفوظة للمحقق طبعة مصر تك: تكملة الفهرست طب: طبعتنا هذه ۔كشف الظنون ج ۲ ص ۱۲۸۳،

"کتاب سیر الاوزاعی"،اور وہ بھی غالباً اس لئے کہ یہ کتاب ایک زندۂ جاوید شخصیت، علم فقہ کے مدون اول اور امام اعظم ابو حنیفہؒ کے رد میں لکھی گئی تھی ،جس کا پس منظر یہ بتایا جاتا ہے کہ امام محمدؒ کی مایہ ناز کتاب "کتاب السیر"جو دراصل حضرت امام ابو حنیفہؒ کے مسائل سیر کا مجموعہ ہے،امام اوزاعیؒ کی نظر سے گذری،امام اوزاعیؒ نے پوچھا:یہ کس کی کتاب ہے؟جواب میں امام محمد بن الحسن العراقی کانام لیا گیا، اس پر امام اوزاعیؒ نے یہ تبصرہ فرمایا کہ: عراق والوں کو رسول اللہ ﷺ کے مغازی وسیر کا کیا علم؟یہ تو شام وحجاز کی چیز ہے،عراق تو بعد میں فتح ہوا۔۔۔

امام محمدؒ کو یہ تبصرہ ناگوار گذرا،چنانچہ انہوں نے "السیر الکبیر" کے نام سے اس سے بھی زیادہ ایک مفصل کتاب تحریر فرمائی،اور جن مسائل کا اجمال اور اختصار کے ساتھ سیر صغیر میں ذکر آیا تھا ان سب کو دلائل وشواہد سے مزین فرمایا، ظاہر ہے کہ امام محمدؒ کو امام اوزاعیؒ کی کتاب اور ان کے بین الاقوامی نظریات کا بھی علم تھا،اسی لئے مسائل کی تفہیم وتشریح میں انہوں نے تھوڑی تفصیل سے کام لیا اور ہر مسئلے کو مدلل کرتے ہوئے ان کی آراء کو پیش نظر رکھا ،امام محمدؒ نے اپنی کتاب میں امام اوزاعیؒ کا نام نہ لیکر اہل الشام کا عنوان اختیار کیا ہے اور کہیں کہیں اہل حجاز کا بھی نام لیا ہے،اس طرح ہر مسئلہ میں مخالف دلائل کا احاطہ کیا ہے،اور ہر ایک کے تشفی بخش جوابات بھی دیئے ہیں،۔۔۔۔

امام محمدؒ کی یہ دوسری کتاب دیکھنے کے بعد غالباً امام اوزاعیؒ کی رائے

متزلزل ہوگئی تھی، پہلی کتاب السیر الصغیر میں صرف مسائل تھے، اس دوسری کتاب میں قرآن وحدیث اور روایات کا بڑا ذخیرہ دیکھ کر وہ حیران رہ گئے اور ان کی زبان سے صرف یہ نکلا کہ "اگر اس کتاب میں احادیث اور روایات کے حوالے نہ ہوتے تو میں کہتا کہ وہ علم بھی وضع کرتے ہیں"۔۔ ۔اس سے زیادہ وہ اس کتاب پر کوئی تبصرہ نہ کرسکے، اور نہ کسی جوابی رد عمل کا اظہار فرمایا۔۔۔ یہ کتاب امام محمدؒ کی خواہش کے مطابق ساٹھ (٦٠) جلدوں میں دربار خلافت میں پیش کی گئی، خلیفۂ وقت بے حد متاثر ہوا اور اس کتاب کو مفاخر روزگار میں قرار دیا[27]۔

یہ تو السیر الکبیر کا پس منظر ہے لیکن امام اوزاعیؒ کی کتاب الرد علیٰ سیر ابی حنیفہؒ دراصل امام محمدؒ کی پہلی کتاب السیر الصغیر کا جواب ہے، جب یہ کتاب منظر عام پر آئی، حضرت امام ابو حنیفہؒ دنیا میں موجود نہیں تھے، آپ کے شاگرد رشید حضرت امام ابو یوسفؒ نے امام اوزاعیؒ کی اس کتاب کا جواب "کتاب الرد علیٰ سیر الاوزاعی" کے نام سے تحریر فرمایا، اور ان کے تمام اعتراضات کے مسکت جوابات دیئے، اور یہی چیز اس کتاب کی زندگی کی ضمانت بن گئی، آج دنیا کی لائبریری میں امام اوزاعیؒ کی کتاب امام ابو یوسفؒ کی کتاب کے حوالے سے پڑھی جارہی ہے، ورنہ ان کی اصل کتاب کا نسخہ ان کی دیگر کتابوں کی طرح

---

[27] - كشف الظنون ج ٢ ص ١٠١٣ المؤلف : مصطفى بن عبد الله كاتب جلبي القسطنطيني (المتوفى : 1067هـ)، کتاب الام ج ا ص ١٠١،

زینت تاریخ بن چکا ہے[28]۔

امام ابو یوسفؒ کی یہ کتاب بھی امام اوزاعیؒ تک بالیقین پہونچی ہو گی ،لیکن اس پر امام اوزاعیؒ کی طرف سے کسی مثبت یا منفی رد عمل کا ذکر تاریخ میں نہیں ملتا[29]۔

بعد میں حضرت امام شافعیؒ کی نظر سے ان دونوں بزرگوں کی تحریرات گذریں ،تو کچھ تعلیقات انہوں نے بھی اس کتاب میں شامل فرمائیں ،اور اکثر مسائل میں امام اوزاعیؒ کے ساتھ اپنی حمایت کا اظہار فرمایا،یعنی میرے اپنے شمار کے مطابق ۳۴ بنیادی مسائل میں صرف چھ یا سات(۷) مسئلوں میں امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ اپنی موافقت ظاہر کی ہے باقی تمام مقامات پر امام شافعیؒ نے امام اوزاعیؒ کے ساتھ اپنے اتفاق کا اظہار کیا ہے ،اور اس کی دلیلیں بھی فراہم کی ہیں،اس طرح اس کتاب کو ایک اور زندگی ملی ،اور اب یہ تینوں بزرگوں (امام اوزاعیؒ،امام ابو یوسفؒ،اور امام شافعیؒ)کی تحریرات کا مجموعہ "کتاب سیر الاوزاعی

---

[28] ۔امام ابو یوسفؒ کی یہ کتاب علامہ ابو الوفا الافغانیؒ کی تحقیق و تعلیق کے ساتھ لجنۃ احیاء المعارف النعمانیۃ حیدر آباد دکن سے شائع ہو چکی ہے،اور بآسانی دستیاب ہے۔

[29] ۔مقدمۃ الرد علیٰ سیر الاوزاعی ، للافغانی ، ص ۴ مطبوعہ حیدر آباد

" کے نام سے امام شافعی کی مشہور کتاب "الام" کا حصہ ہے[30]۔

امام اوزاعی کی کتابیں ناپید ہونے کا سبب

امام اوزاعیؒ کی کتابوں کے ناپید ہونے کا سبب ان کے بعض تلامذہ مثلاً ولید بن مسلمؒ کے حوالے سے مورخین یہ بیان کرتے ہیں کہ امام اوزاعیؒ کے زمانے میں بیروت میں زبردست زلزلہ آیا تھا، جس میں بیشتر مکانات منہدم ہوگئے تھے، اور کچھ حصوں میں آگ بھی لگی تھی، امام اوزاعیؒ کا تمام قلمی سرمایہ اسی زلزلہ اور آتش زدگی کی نذر ہوگیا، کہتے ہیں کہ بعد میں ایک شخص نے امام اوزاعیؒ کو ان کی ایک کتاب کا جلا ہوا نسخہ لا کر دیا، مگر عمر نے وفانہ کی اور وہ اپنے علمی سرمایہ کو دوبارہ زندگی نہ دے سکے، اناللہ وانا الیہ راجعون[31]۔

آج فقہ اوزاعی کو قانونی ماخذ نہیں بنایا جا سکتا

ان تفصیلات سے ظاہر ہوتا ہے کہ بایں صورت حال فقہ اوزاعی میں قانونی ماخذ بننے کی صلاحیت نہیں ہے، یعنی اگر آج کسی خاص باب یا مسئلہ میں

---

30 ۔کتاب الام (۱۱ / گیارہ جلدیں) کا ایک مدلل اور محقق نسخہ پورے آب و تاب کے ساتھ دارالوفا قاہرہ سے ۱۴۲۲ھ م ۲۰۰۱ء میں شائع ہوا ہے، جس میں امام شافعیؒ کی مشہور کتاب "الرسالۃ" بھی شامل ہے، کتاب سیر الاوزاعی اس ایڈیشن میں جلد ۹ ص ۱۷۸ سے ۲۷۷ تک ہے، اور ہر مسئلہ پر نمبر بھی ڈالا گیا ہے۔

31 ۔۔ مختصر تاریخ دمشق ج ۱۴ ص ۳۲۳، سیر اعلام النبلاء ج ۷ ص ۱۱۴،

قانونی رہنمائی کی ضرورت ہو تو ایمہ اربعہ کی فقہ کے علاوہ ایک پانچویں مأخذ قانون کی حیثیت سے فقہ اوزاعی کا مطالعہ کرنا مفید نہیں ہو گا، اور نہ اختلافی مسائل میں فقہ اوزاعی کے حوالے سے ایمہ اربعہ کے اقوال وآراء سے خروج کی اجازت ہو گی، اسلئے کہ بوقت ضرورت دوسرے مذہب پر فتویٰ یا عمل کی شرائط میں سے یہ ہے کہ جس مذہب سے وہ شق لی گئی ہے اس کی تمام تفصیلات معتبر کتابوں میں موجود ہوں اور اس عدول میں ان تفصیلات اور قانون کے اس مزاج کی رعایت ملحوظ رکھی گئی ہو جس کی بنیاد پر صاحب مذہب نے وہ شق اختیار کی ہے،

شیخ عبدالغنی النابلسیؒ علامہ عبدالرحمن العمادی الحنفیؒ (۱۰۱۵ھ) کے حوالے سے رقمطراز ہیں:

يجوز للحنفى تقليد غير امامہ من الائمۃ الثلاثۃ فيما تدعو اليہ الضرورۃ ،بشرط ان يلتزم جميع مايوجبہ ذلک الامام فى ذلک [32]

ترجمہ: حنفی کے لئے ضرورت کے وقت اپنے امام کے علاوہ ایمہ ثلاثہ میں سے کسی امام کی تقلید جائزہے بشرطیکہ متعلقہ مسئلہ میں اس امام کی جملہ مقتضیات کی رعایت کی جائے۔

اسی بات کو علامہ ابن عابدینؒ نے اس طرح بیان فرمایا:

وأنه يجوز له العمل بما يخالف ما عمله على مذهبه مقلدا

---

[32] خلاصۃ التحقيق فى حكم التقليد و التلفيق للشيخ عبدالغنى النابلسى ص ٢٢ مطبوعہ استنبول ١٩٩٤ ء

فيه غير إمامه مستجمعا شروطه[33]

توجب تک کسی امام کا مذہب مدون حالت میں موجود نہ ہو کسی بھی باب میں اس مسئلہ کی تمام تفصیلات کا علم کیونکر ممکن ہو گا،اسی لئے ہمارے فقہاء نے اقوال شاذہ،روایات مہجورہ اور کتب مختصرہ کی نقول پر بھی عمل وفتویٰ سے منع فرمایاہے[34] کہ ان کی صحیح تفصیل جب تک معلوم نہ ہو اس کو معمول بہ نہیں بنایا جاسکتا۔

اسی بنا پر تقریباً تمام ہی علماء ومورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ مذاہب اربعہ کے علاوہ کوئی مذہب فقہی پوری طرح مدون حالت میں موجود نہیں ہے ،اس لئے تقلید وعمل میں ان کے علاوہ کسی پر اعتماد کرنا ممکن نہیں[35]۔

علامہ ابن نجیمؒ تحریر فرماتے ہیں:

فَقَدْ صَرَّحَ فِي التَّحْرِيرِ أَنَّ الْإِجْمَاعَ انْعَقَدَ عَلَى عَدَمِ الْعَمَلِ بِمَذْهَبٍ مُخَالِفٍ لِلْأَرْبَعَةِ لِانْضِبَاطِ مَذَاهِبِهِمْ وَانْتِشَارِهَا وَكَثْرَةِ

---

[33] - رد المحتار على "الدر المختار : شرح تنوير الابصار" ج ۱ ص ۱۸۹
المؤلف : ابن عابدين ، محمد أمين بن عمر (المتوفى : 1252هـ)

[34] - رد المحتار على "الدر المختار : شرح تنوير الابصار" ج ۱ ص ۱۸۷
المؤلف : ابن عابدين ، محمد أمين بن عمر (المتوفى : 1252هـ)

[35] - ایمہ اربعہ کے مذاہب فقہی کے علاوہ فقہ ظاہری،فقہ زیدی،فقہ جعفری اور فقہ اباضی بھی آج مدون حالت میں موجود ہیں،مگر وہ یہاں زیر بحث نہیں اور نہ قابل عمل ہیں۔

أَتْبَاعِهِمْ .[36]

ترجمہ: التحریر میں اس کی صراحت موجود ہے کہ اس پر اجماع منعقد ہوچکاہے کہ مذاہب اربعہ کے علاوہ کسی مذہب مخالف پر عمل کرنا جائز نہیں ہے ،اس لئے کہ ایمہ اربعہ کے مذاہب مدون بھی ہیں ،مشہور بھی ہیں اور ان کے تبعین بھی بکثرت موجودہیں۔

علامہ زرکشیؒ لکھتے ہیں:

الدليل يقتضي التزام مذهب معين بعد الأئمة الأربعة, لا قبلهم. والفرق أن الناس كانوا قبل الأئمة الأربعة لم يدونوا مذاهبهم ------وأما بعد أن فهمت المذاهب ودونت واشتهرت وعرف المرخص من المشدد في كل واقعة, فلا ينتقل المستفتي [37]

ترجمہ:دلیل کا تقاضا یہ ہے کہ ایمہ اربعہ کے بعدکسی معین مذہب کی پابندی ضروری ہو،اس لئے کہ ایمہ اربعہ سے قبل ان کے مذاہب مدون نہیں

---

[36] - الْأَشْبَاهُ وَالنَّظَائِرُ ج ١ ص ١٠٨ عَلَى مَذْهَبِ أَبِيْ حَنِيْفَةَ النُّعْمَانِ المؤلف : الشَّيْخ زَيْنُ الْعَابِدِيْنَ بْنِ إِبْرَاهِيْمِ بْنِ نُجَيْمٍ (926–970هـ) الناشر : دار الكتب العلمية،بيروت،لبنان الطبعة :1400هـ=1980م عدد الأجزاء : 1

[37] - البحر المحيط في أصول الفقه ج ٤ ص ٥٩٧ المؤلف : بدر الدين محمد بن عبد الله بن بهادر الزركشي (المتوفى : 794هـ) المحقق : محمد محمد تامرالناشر : دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان الطبعة : الطبعة الأولى، 1421هـ / 2000م مصدر الكتاب : موقع مكتبة المدينة الرقمية

تھے ۔۔۔ لیکن اب مدون بھی ہیں اور مشہور بھی ہیں ،ہر مسئلہ میں رخصت و شدت کا علم بآسانی ممکن ہے،اس لئے اب مستفتی کو ادھر ادھر جانے کی اجازت نہیں ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے عقد الجید اور الانصاف دونوں کتابوں میں اس مسئلہ پر بہت اچھی روشنی ڈالی ہے، عقد الجید سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

وإذا تعين الإعتماد على أقاويل السلف فلا بد من أن تكون أقوالهم التي يعتمد عليها مروية بالإسناد الصحيح أو مدونة في كتب مشهورة وأن تكون مخدومة بأن يبين الراجح من محتملاتها ويخصص عمومها في بعض المواضع ويقيد مطلقها في بعض المواضع ويجمع المختلف منها ويبين علل أحكامها وإلا لم يصح الاعتماد عليها وليس مذهب في هذه الأزمنة المتأخرة بهذه الصفة إلا هذه المذاهب الأربعة اللهم إلا مذهب الإمامية والزيدية وهم أهل البدعة لا يجوز الاعتماد على أقاويلهم [38]

ترجمہ: جب سلف کے اقوال پر اعتماد کرنا طے ہے تو ان کے اقوال کے قابل اعتماد ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ سند صحیح کے ساتھ منقول ہوں، یا

[38] - عقد الجيد في أحكام الاجتهاد والتقليد ص ١٣ المؤلف : أحمد بن عبد الرحيم الدهلوي الناشر : المطبعة السلفية – القاهرة ، 1385 تحقيق : محب الدين الخطيب عدد الأجزاء : 1،كذلک فی کتاب الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف ص ٢٨ مطبوعہ استنبول ١٩٩٤ء۔

مشہور کتابوں میں مدون ہوں، اور ان کے راجح و مرجوح، خاص و عام اور مطلق و مقید کا پتہ ہو، مسئلہ اختلافی ہے یا اتفاقی یہ معلوم ہو، احکام کی علتوں کی وضاحت ہو، ان شرائط کے بغیر کوئی قول قابل اعتماد نہیں ہو سکتا، ان آخری ادوار میں مذاہب اربعہ کے علاوہ کسی مذہب فقہی میں یہ کیفیت موجود نہیں ہے، سوائے زیدیۃ اور امامیۃ وغیرہ کے مذاہب کے مگر وہ اہل بدعت ہیں ان کے اقوال پر اعتماد کرنا جائز نہیں۔

دیگر ایمہ سلف کے مذاہب وآراء کی طرف رجوع معاذ اللہ اس لئے ممنوع نہیں کہ وہ کمتر شان رکھتے ہیں، بلکہ اس لئے کہ ان کی صحیح تفصیلات ہم کو معلوم نہیں، شیخ عبد الغنی النابلسیؒ رقمطراز ہیں:

اما تقلید مذہب من مذاہبہم الآن غیر المذاہب الاربعۃ فلایجوز لا لنقصان فی مذہبم ورجحان المذاہب الاربعۃ علیہم ۔۔بل لعدم تدوین مذاہبہم وعدم معرفتنا الآن بشروطہا وقیودھا وعدم وصول ذلک الینا بطریق التواتر[39]۔

ترجمہ: اب مذاہب اربعہ کے علاوہ کسی بھی مذہب فقہی کی تقلید جائز نہیں ہے، کسی نقص کی بنا پر نہیں اور نہ اس لئے کہ مذاہب اربعہ سے وہ کمتر ہیں ۔۔۔بلکہ اس لئے کہ مذاہب اربعہ کے علاوہ کوئی مذہب فقہی مدون نہیں ہے اور

---

[39] ۔ خلاصۃ التحقیق فی حکم التقلید والتلفیق للشیخ عبدالغنی النابلسی ص ۳ مطبوعہ استنبول ۱۹۹۴ ء

اور نہ اس کی شرائط و قیود کا ہمیں علم ہے، اور تواتر کے ساتھ یہ چیزیں ہم تک نہیں پہونچیں۔

ان مباحث کی روشنی میں ہمیں اس نتیجہ تک پہونچنے میں کوئی دشواری نہیں ہے، کہ امام اوزاعیؒ کی فقہ ایک انتہائی قابل قدر سرمایہ ہونے کے باوجود بحالات موجودہ قانون کا ایک نامکمل ذخیرہ ہے، ان کے اقوال وآراء بلکہ تفردات بھی ہم تک براہ راست ماٰخذ سے نہیں پہونچے، بلکہ دیگر مسالک کے فقہاء یا اصحاب تاریخ ورجال نے مختلف مناسبتوں سے جن اقوال کو اپنی کتابوں میں جگہ دی ہے، وہ ہم تک اپنے پس منظر اور دیگر تفصیلات کے بغیر ذیلی ذرائع سے پہونچے ہیں، اس لئِے ایمہ اربعہ کے معتبر اور مدون اقوال کو چھوڑ کر ان منتشر اقوال وآراء کو قانون کی بنیاد بنانا درست نہیں،۔۔۔

فقہ اوزاعی کے اکثر مسائل مذاہب اربعہ میں موجود ہیں

علاوہ ازیں تفردات کا استثناء کرکے امام اوزاعیؒ کے اکثر اقوال ائمہ اربعہ میں سے کسی نہ کسی کے یہاں لازماً موجود ہیں، اس کا ندازہ امام اوزاعیؒ کی واحد دستیاب کتاب "سیر الاوزاعی"" پر امام شافعیؒ کی تعلیقات اور تبصروں سے ہوتا ہے، کہ چند مسائل کو چھوڑ کر اکثر مسائل میں امام شافعیؒ نے امام اوزاعیؒ کے ساتھ اپنا اتفاق ظاہر کیا ہے، اور بعض میں کچھ قیدیں بھی بڑھائی ہیں،۔۔۔اسی پر ہم امام اوزاعیؒ کے دیگر اقوال وآراء کو بھی قیاس کرسکتے ہیں،۔۔۔اس صورت حال میں کوئی ضرورت نہیں رہ جاتی کہ مذاہب اربعہ کے بجائے کسی غیر مدون

فقہ کوبنیاد بنایا جائے، کیونکہ غیر مرتب اقوال فقہاء کی کوئی کمی نہیں ہے اس طرح کے نوادرات کا تتبع کرنا دینی اعتبار سے نقصان دہ بھی ہے، خود امام اوزاعیؒ کا مشہور قول ہے: **من أخذ بنوادر العلماء خرج من الإسلام**[40]

ترجمہ: جو علماء کے نوادرات کو لے گا وہ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔

غرض فقہ اوزاعی کے تعلق سے ہماری تمام تر تحقیقات اور علمی سرگرمیوں کا مقصد امام اوزاعی کی عظیم شخصیت اور ان کے علوم وافکار کا احیا اور تاریخ کے انتہائی قیمتی دور سے اپنا رشتہ استوار کرنا ہونا چاہیئے، نہ کہ ان کے اقوال وآراء پر کسی قانون کی عمارت تیار کرنا، یہی امام اوزاعیؒ کے ساتھ بھی انصاف ہو گا اور قانون اسلامی کے ساتھ بھی۔

فقہ کے بہت سے ابواب میں امام اوزاعیؒ کے اقوال موجود ہیں، جن سے مسلک اوزاعیؒ کا ایک ذہنی خاکہ تیار ہوتا ہے اور فقہ اوزاعی کے ذوق ومزاج کا بھی اندازہ ہوتا ہے، ظاہر ہے کہ وہ ایک مستقل مسلک فقہی کے بانی ہیں تو زندگی کے تمام ہی ابواب کے تعلق سے قانونی ہدایات موجود رہی ہونگی اور تقریباً تین صدیوں تک افراد اور ریاستوں نے جن کے عملی تجربات بھی کئے

---

[40] - سنن البيهقي الكبرى ج ١٠ ص ٢١١ حديث نمبر : ٢٠٧٠٧ المؤلف : أحمد بن الحسين بن علي بن موسى أبو بكر البيهقي الناشر : مكتبة دار الباز – مكة المكرمة ، 1414 – 1994 تحقيق : محمد عبد القادر عطا عدد الأجزاء : 10

ہونگے، یہ تو نظام قدرت کے تحت ان کے مسلک فقہی کے لئے اتنی ہی زندگی مقدر تھی، اس لئے ان کا بڑا علمی فقہی سرمایہ قصہ ماضی بن گیا، آج جو کچھ بھی موجود ہے وہ اس عظیم مسلک فقہی کا بہت تھوڑا حصہ ہے، لیکن ان کھنڈرات سے اس عظیم مسلک کے شان وشکوہ کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔۔۔۔

بین الاقوامی مسائل پر امام اوزاعیؒ کے بعض افکار وآراء

البتہ بین الاقوامی مسائل پر ان کے افکار وآراء کی تعداد نسبتاً زیادہ ہے ،اور اس کا سبب ان کی وہ کتاب ہے جو انہوں نے حضرت امام ابو حنیفہؒ کے رد میں لکھی تھی ،امام اوزاعیؒ کی اس مختصر کتاب کا موازنہ اگر ہم امام محمد کی السیر الصغیر یا السیر الکبیر سے کریں ،تو مسائل کی تعداد کے لحاظ سے دونوں میں کوئی نسبت نہیں ہے ،امام اوزاعیؒ کی اصل کتاب موجودہ کتابی سائز کے لحاظ سے زیادہ سے زیادہ بیس (۲۰) صفحات پر مشتمل ہوگی اور ان میں بھی بنیادی طور پر صرف چونیتس (۳۴) مسائل سے تعرض کیا گیا ہے،اور اگر ضمنی مسائل کو بھی شامل کرلیں تو اس کی تعداد زیادہ سے زیادہ چالیس (۴۰) تک پہونچے گی [41]، علاوہ ازیں امام اوزاعیؒ نے جن مسائل میں اپنا اختلاف درج کرایا ہے ،ان میں

---

[41] ۔جبکہ امام محمدؒ کی السیر الصغیر میں ایک سو بہتر (۱۷۲) مسائل ہیں اور السیر الکبیر مع شرح السرخسیؒ کا جو نسخہ میرے پاس ہے وہ بیروت سے شائع ہوا ہے، پانچ جلدوں میں تقریباً پندرہ سو (۱۵۰۰) صفحات پر مشتمل ہے اور دوسو اٹھارہ (۲۱۸) ابواب کے تحت اس میں سینکڑوں مسائل زیر بحث آئے ہیں۔

اکثر مسائل آج کے دور میں بہت زیادہ اہم نہیں ہیں۔۔۔۔

البتہ بین الاقوامی مسائل میں امام اوزاعی کی ایک اضافی اہمیت یہ ہے کہ وہ خود اس کا عملی تجربہ رکھتے تھے، اسلامی تحفظ سرحد فوج کے ایک جانباز سپاہی کی حیثیت سے وہ ان مسائل سے براہ راست قربت رکھتے تھے، امام اوزاعیؒ نے اپنی عمر کے آخری ادوار میں بیروت کی سرحدی فوج میں ملازمت اختیار کرلی تھی، اور اپنی صحت تک اس ملازمت پر برقرار رہے، [42] اس لحاظ سے اگر امام اوزاعیؒ بین الاقوامی مسائل پر کوئی مبسوط کتاب لکھتے تو اسلامی لائبریری میں یقیناً ایک قیمتی اضافہ ہوتا، یا ان مسائل کے تعلق سے ان کے مذہب کی بقیات موجود ہوتیں تو یقیناً علم وفکر کی بہت سی نئی جہتیں سامنے آسکتی تھیں، لیکن قدر اللہ ماشاء۔

ہمارے سامنے ان کی صرف ایک کتاب سیر الاوزاعیؒ ہے جو امام ابویوسفؒ کی کتاب الرد علیٰ سیر الاوزاعی اور امام شافعیؒ کی کتاب الام کے حوالے سے ہم تک پہونچی ہے، دیگر مصنفین ومحدثین نے بھی انہی کتابوں کے حوالے سے ان کے اقوال نقل کئے ہیں، اس لئے اسی کتاب سے چند بین الاقوامی مسائل پر امام اوزاعیؒ کے نظریات پیش کئے جاتے ہیں۔۔۔۔۔اور میرے خیال میں

[42] -وفيات الأعيان وأنباء أبناء الزمان ج ٣ ص ١٢٧ المؤلف : أبو العباس شمس الدين أحمد بن محمد بن أبي بكر بن خلكان (المتوفى : 681هـ) المحقق : إحسان عباس الناشر : دار صادر – بيروت ،البداية والنهاية ج ١٠ ص ١٢٠ ۔

اس موقعہ پر اس بحث کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے کہ ان نظریات میں فکری معنویت کتنی ہے؟ اور امام شافعیؒ کے محاکمے اور تعلیقات میں کس حد تک واقعیت ہے؟ اس لئے کہ خود امام محمدؒ نے ہی السیر الکبیر میں ان تمام دلائل وشواہد پر تفصیلی روشنی ڈال دی ہے، جن پر ان نظریات کی بنیاد ہے، ان کے بعد شمس الائمہ محمد بن احمد السرخسی(م ۴۸۳ھ) نے بھی شرح السیر الکبیر میں مخالف دلائل واعتراضات کا احتساب کیا ہے، اور ہمارے آخری دور میں علامہ ابوالوفاء افغانی ثم حیدر آبادیؒ نے حضرت امام ابو یوسفؒ کی کتاب " الرد علیٰ سیر الاوزاعیؒ" پر اپنی قیمتی تعلیقات میں امام شافعیؒ کے تبصروں کو پیش نظر رکھا ہے، اس طرح یہ بحث مکمل ہو چکی ہے، اب اس کے اعادہ کی حاجت نہیں۔

دارالحرب میں مال غنیمت کی تقسیم

☆اگر کسی اسلامی لشکر یا فوجی ٹکڑی کو جنگی حالات کے دوران غیر مسلموں کی سرزمین میں کچھ مالی فتوحات (مال غنیمت)حاصل ہوں تو کیا دارالحرب میں ہی شرکاء لشکر کے درمیان ان کی تقسیم کی جا سکتی ہے؟ یا مملکت اسلامی تک افواج کی مع اموال غنیمت بحفاظت واپسی کا انتظار کیا جانا چاہیۓ؟ ۔۔۔امام اوزاعیؒ کے نزدیک دارالحرب میں ہی اس کی تقسیم کی جانی چاہیۓ[43]، امام شافعی کی رائے بھی یہی ہے،[44] اس لئے کہ ان اموال میں ان فوجیوں کا حق قائم

---

[43] کتاب الرد علیٰ سیر الاوزاعی للامام ابی یوسف □ ص ۵ ۔

[44] کتاب الام ج ۹ ص ۱۷۵ کتاب سیرالاوزاعی ۔

ہو چکا ہے جنہوں نے اس جنگی مہم میں حصہ لیا ہے،اور اپنے حق کی بنا پر اس میں وہ شرکت کے حقدار ہیں، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ سے متعدد غزوات کے بارے میں منقول ہے کہ اختتام جنگ پر مال غنیمت کی تقسیم کے بعد ہی آپ کی واپسی عمل میں آئی،مثلاً غزوۂ بنی المصطلق،ہوازن، حنین اور خیبر وغیرہ میں آپ نے مقام جنگ پر ہی مال غنیمت کی تقسیم فرمادی،امام اوزاعی کا خیال یہ ہے کہ یہ تسلسل بعد کے ادوار میں بھی (حضرت عمر بن الخطابؓ اور حضرت عثمانؓ سے حضرت عمر ابن عبد العزیزؒ کی خلافت تک) جاری رہا۔[45]

حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اگر فوج کو واقعی ایسی ضرورت نہ ہو تو دارالحرب میں رہ کر مال غنیمت کی تقسیم جائز نہیں،جب تک کہ دارالاسلام میں مال غنیمت کا احراز عمل میں نہ آجائے،اور تمام افواج بحفاظت وطن واپس نہ ہو جائیں،اس کا فائدہ یہ ہو گا کہ بعد میں آنے والی کمک بھی اس میں شریک ہو سکے گی،اور ایسا نہ کرنے سے کئی اہم متعلق لوگ اپنے حق سے محروم ہو سکتے ہیں ،جہاں تک قیام حق کا مسئلہ ہے،تو محض قیام حق سے حکم ثابت نہیں ہوتا جب تک کہ احراز کے ساتھ وہ مؤکد نہ ہو جائے،[46]

---

45 ۔کتاب الرد علیٰ سیر الاوزاعی للامام ابی یوسف □ ص ۵ ۔

46 ۔ المبسوط للسرخسي باب معاملة الجيش مع الكفار ج ۱۰ ص ۵۴

تأليف:شمس الدين أبو بكر محمد بن أبي سهل السرخسي دراسة وتحقيق:خليل

حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حنین کا مال فہ ر ی طائف سے واپسی پر مقام جعرانہ میں لوگوں کی طلب پر تقسیم فرمایا،[47]

اسی طرح جنگ بدر میں مال غنیمت کی تقسیم مدینہ کی واپسی کے بعد ہوئی ،اس کی دلیل یہ ہے کہ آپ نے اس میں کئی ایسے لوگوں مثلاً حضرت طلحہؓ اور حضرت عثمان غنیؓ وغیرہ کو حصہ دار بنایا جو بظاہر جنگ میں شریک نہیں تھے، لیکن در حقیقت مسلمان کے جنگی مفاد ہی میں مصروف تھے،[48]

رہا خیبر وہوازن وغیرہ کا معاملہ تو کافروں کی شکست اور صلح کے بعد وہ سارا علاقہ مملکت اسلامی کا حصہ بن چکا تھا، گو اکثر آبادی وہاں غیر مسلموں کی تھی ،مگر کفر کی شوکت ٹوٹ چکی تھی اور باضابطہ معاہدہ کی روشنی میں اس کو

محي الدين الميس الناشر: دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت، لبنان الطبعة الأولى، 1421هـ 2000م

[47] - الجامع الصحيح المختصر ۳ ص ۱۱۴۳حدیث نمبر:۲۹۶۹ المؤلف : محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر : دار ابن كثير ، اليمامة – بيروت الطبعة الثالثة ، 1407 – 1987 تحقيق : د. مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة – جامعة دمشق عدد الأجزاء : 6

[48]- : سنن البيهقي الكبرى ج٦ص ۲۹۳حدیث نمبر:۱۲۴۹۸ المؤلف : أحمد بن الحسين بن علي بن موسى أبو بكر البيهقي الناشر : مكتبة دار الباز – مكة المكرمة ، 1414 – 1994 تحقيق : محمد عبد القادر عطا عدد الأجزاء : 10

دارالاسلام میں شامل کر لیا گیا تھا اس لئے وہاں رہتے ہوئے مال غنیمت کی تقسیم میں مضائقہ نہیں تھا، امام ابویوسفؒ نے اس پر بہت مدلل گفتگو کی ہے،اور علامہ افغانیؒ نے علامہ سرخسیؒ وغیرہ کی تحقیقات کے حوالے سے امام شافعیؒ کے مباحث کا بھی رد کیا ہے،جو انہوں نے امام اوزاعیؒ کے دفاع میں کتاب الام میں تحریر فرمائے ہیں [49]۔

مال غنیمت سے ہتھیار لینے کا مسئلہ

☆امام اوزاعیؒ کے نزدیک مسلم فوجیوں کے لئے امیر کی جازت کے بغیر مال غنیمت سے جنگی ہتھیار لینا درست نہیں ،خواہ ان کو اس کی کتنی ہی ضرورت ہو،الا یہ کہ عین معرکہ جنگ میں جب کہ شدید مقابلہ جاری ہو اس کی نوبت آجائے ،تو بقدر ضرورت ہتھیار کے استعمال کی اجازت ہے ،بشرطیکہ معرکہ ختم ہوتے ہی ہتھیار واپس کر دیا جائے،اور جنگ سے فراغت کا انتظار نہ کیا جائے، اس لئے کہ اس میں ہتھیار کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے اور جب تک مال غنیمت کی تقسیم نہ ہو جائے اس وقت تک یہ ہتھیار قومی سرمایے کی حیثیت رکھتے ہیں،اور تمام شریک فوجیوں کا ان میں حق ہے،کسی ایک شخص کو بطور خود ان میں

---

49 - كتاب الرد علىٰ سير الاوزاعی للامام ابی یوسف ⎕ ص ۱۳ مع حاشية الافغانی۔

تصرف کی اجازت نہیں ہے، یہ مال غنیمت میں خیانت تصور کی جائے گی[50] امام شافعیؒ بھی ان کے ہم خیال ہیں[51]۔

اس کی دلیل نبی کریم ﷺ کی وہ ہدایات ہیں جو مال غنیمت کے تحفظ کی تاکید اور اس میں خیانت پر وعید کے سلسلے میں وارد ہوئی ہیں[52]:

عن رويفع بن ثابت الأنصاري رضي الله عنه عن رسول الله صلى الله عليه و سلم أنه قال عام حنين : من كان يؤمن بالله

---

[50] ۔ کتاب الرد علیٰ سیر الاوزاعی للامام ابی یوسف □ ص ۱۴،۱۳

[51] -کتاب الام ج ۹ ص ۱۸۱ ،

[52] -دیکھئے : الجامع الصحيح المختصر ج ۳ ص ۱۱۱۸ حديث نمبر : ۲۹۰۸ المؤلف : محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر : دار ابن كثير ، اليمامة – بيروت الطبعة الثالثة ، 1407 – 1987 تحقيق : د. مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة –جامعة دمشق عدد الأجزاء : 6 ، الجامع الصحيح المسمى صحيح مسلم ج ۱ ص ۷۵ حديث نمبر :۳۲۳ المؤلف : أبو الحسين مسلم بن الحجاج بن مسلم القشيري النيسابوري الناشر : دار الجيل بيروت + دار الأفاق الجديدة ـ بيروت عدد الأجزاء : ثمانية أجزاء في أربع مجلدات ، الجامع الصحيح سنن الترمذي ج ۴ ص ۱۳۸ حديث نمبر :۱۵۷۲ المؤلف : محمد بن عيسى أبو عيسى الترمذي السلمي الناشر : دار إحياء التراث العربي – بيروت تحقيق : أحمد محمد شاكر وآخرون عدد الأجزاء : 5 الأحاديث مذيلة بأحكام الألباني عليها وغيره۔

واليوم الآخر فلا يأخذن من دابة من المغانم فيركبها حتى إذا نقصها ردها في المغانم ومن كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يلبسن شيئا من المغانم حتى إذا أخلقه رده في المغانم [53]

ترجمہ: حضرت رویفع بن ثابت انصاری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حنین کے موقعہ پر ارشاد فرمایا: جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ ہرگز مال غنیمت سے جانور نہ لے کہ سواری کرے اور کمزور ہو جائے تو واپس کردے، اور جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر یقین رکھتا ہو وہ مال غنیمت سے پہننے کے لئے کپڑا نہ لے کہ پرانا ہونے کے بعد واپس کردے۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ کی رائے یہ ہے کہ سخت ہنگامہ خیز حالات نہ ہونے کے باوجود وقتی ضرورت کے تحت بھی مسلم فوجیوں کے لئے مال غنیمت سے سامان حرب استعمال کرنے اور جنگ سے فراغت تک حسب ضرورت اپنے پاس رکھنے کی اجازت ہے، البتہ جنگ سے فراغت کے بعد ہتھیار کا واپس کردینا ضروری ہے، امام صاحب کے نزدیک یہ قومی مفاد اور ملک وملت کی عزت وآبرو کا مسئلہ ہے ، ہتھیار کے بغیر تو کوئی جنگ لڑی نہیں جاسکتی ، اور ہر چھوٹی

---

[53] - سنن البيهقي الكبرى ج ٩ ص ٦٢ حدیث نمبر : ١٧٧٩١ المؤلف : أحمد بن الحسين بن علي بن موسى أبو بكر البيهقي الناشر : مكتبة دار الباز – مكة المكرمة ، 1414 – 1994 تحقيق : محمد عبد القادر عطا عدد الأجزاء : 10

ضرورت کے لئے امام کی اجازت کی پابندی بھی مشکل ہے ،اس لئے حسب ضرورت مال غنیمت سے ہتھیار کا استعمال کیا جاسکتا ہے،[54]

اس رائے کا ماخذوہ روایات ہیں جن میں بوقت ضرورت مال غنیمت کے استعمال کی اجازت دی گئی ہے، مثلاً:

عبد الله بن أبي أوفي صاحب رسول الله صلى الله عليه و سلم قال : كنا مع رسول الله صلى الله عليه و سلم بخيبر يأتي أحدنا إلى طعام من الغنيمة فيأخذ منه حاجته[55]

ترجمہ: صحابی رسول حضرت عبداللہ بن ابی اوفیؓ سے مروی ہے کہ ہم لوگ خیبر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے مال غنیمت میں کچھ کھانے وغیرہ کی چیز آتی تھی تو ہر آدمی اپنی ضرورت کے مطابق لے لیتا تھا۔

امام شافعیؒ نے امام اوزاعیؒ کا دفاع کرتے ہوئے ہتھیار کی ضرورت کو

---

[54] - شرح معاني الآثارج ۴ ص ۲۷۷المؤلف : أبو جعفر أحمد بن محمد بن سلامة بن عبد الملك بن سلمة الأزدي الحجري المصري المعروف بالطحاوي (المتوفى : 321هـ)

[55] -- شرح معاني الآثارج ۳ ص ۲۵۲ حدیث نمبر: ۴۸۵۳المؤلف : أبو جعفر أحمد بن محمد بن سلامة بن عبد الملك بن سلمة الأزدي الحجري المصري المعروف بالطحاوي (المتوفى : 321هـ) الناشر : دار الكتب العلمية – بيروت الطبعة الأولى ، 1399 تحقيق : محمد زهري النجار عدد الأجزاء : 4

طعام کا ہم پلہ ماننے سے انکار کیا ہے،[56] حالانکہ میدان جنگ میں کھانے سے زیادہ ہتھیار کی اہمیت ہے، مقابلے کے میدان میں انسان کھڑا چپ چاپ قتل ہو جائے اور ہتھیار غنیمت کے سرد خانے میں پڑے رہیں، یہ کوئی دانشمندی نہیں ہے۔

امام اوزاعیؒ نے جن روایات کا حوالہ دیا ہے ان کا محمل وہ لوگ ہیں جو بلاضرورت یا بارادۂ خیانت مال غنیمت کا استعمال کرنا چاہتے ہیں ۔۔۔۔امام ابو حنیفہؒ کی اس تاویل سے تمام روایات میں تطبیق ہو جاتی ہے۔

پیادہ اور سوار فوجیوں کے حصوں میں فرق

☆ایک اہم مسئلہ مال غنیمت میں فوجیوں کے درمیان حصوں کے تناسب کا ہے، پیادہ فوج اور سوار فوج کے حصوں میں تفاوت قدرتی ہے، میدان جنگ میں دونوں کی کارکردگی میں نمایاں فرق ہوتا ہے، اس لئے حصے کے تناسب میں بھی فرق ہونا چاہیئے، چنانچہ امام اوزاعیؒ کے نزدیک پیادہ کو ایک حصہ اور سوار کو تین حصے ملیں گے، ان کی دلیل یہ روایت ہے:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ –صلى الله عليه وسلم– قَسَمَ فِي النَّفَلِ لِلْفَرَسِ بِسَهْمَيْنِ وَلِلرَّجُلِ بِسَهْمٍ.[57]

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ

---

[56] كتاب الام ج ۹ ص ۱۸۰

[57] - سنن الترمذي ج ٦ ص ٤٨ حدیث نمبر: ١٤٧٥ المؤلف : محمد بن عيسى بن سَوْرة بن موسى بن الضحاك، الترمذي، أبو عيسى (المتوفى : 279هـ)

نے مال غنیمت کی تقسیم میں گھوڑے کو دو حصے اور مرد کو ایک حصہ مرحمت فرمایا۔

حضرت امام ابو حنیفہ ؒ اس فرق کو کو دوگنے تک محدود رکھتے ہیں، یعنی پیادہ کو ایک حصہ اور سوار کو اس کا دوگنا[58]، اس کا مأخذوہ صحیح روایات ہیں جن میں صاف طور پر حصے کا یہی تناسب بیان کیا گیا ہے، مثلاً: ایک صحابی بیان کرتے ہیں:

قَالَ ثُمَّ أَعْطَانِى رَسُولُ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- سَهْمَيْنِ سَهْمُ الْفَارِسِ وَسَهْمُ الرَّاجِلِ فَجَمَعَهُمَا لِى جَمِيعًا [59]

ترجمہ: مجھے رسول اللہ ﷺ نے دو حصے دیئے ایک گھوڑسوار کا حصہ

---

[58] - تبين الحقائق شرح كنز الدقائق ج ۳ ص ۲۵۴ فخر الدين عثمان بن علي الزيلعي الحنفي. الناشر دار الكتب الإسلامي سنة النشر 1313هـ. مكان النشر القاهرة. عدد الأجزاء 6*3 ، حاشية رد المختار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار فقه أبو حنيفة

ابن عابدين. ج ۴ ص ۱۵۵ الناشر دار الفكر للطباعة والنشر. سنة النشر 1421هـ - 2000م. مكان النشر بيروت. عدد الأجزاء 8

[59] - الجامع الصحيح المسمى صحيح مسلم ج ۵ ص ۱۸۹ حدیث نمبر :۴۷۷۹ المؤلف : أبو الحسين مسلم بن الحجاج بن مسلم القشيري النيسابوري المحقق : الناشر : دار الجيل بيروت + دار الأفاق الجديدة ـ بيروت

اور ایک پیادہ کا حصہ، دونوں کو میرے لئے جمع کر دیا۔

ایک روایت مجمع بن جاریۃ الانصاریؓ کے حوالہ سے ہے:

فَأَعْطَى الْفَارِسَ سَهْمَيْنِ وَأَعْطَى الرَّاجِلَ سَهْمًا.[60]

ترجمہ: حضور ﷺ نے گھوڑ سوار کو دو حصے اور پیادہ کو ایک حصہ مرحمت فرمایا۔

جن روایات میں فرس کے لئے دو حصے کا ذکر ہے ان میں امام ابو حنیفہ فرس بمعنیٰ فارس اور الرجل بمعنیٰ الراجل لیتے ہیں تا کہ روایات میں تطبیق دی جاسکے ۔۔۔۔۔۔ ایک تاویل یہ بھی کی گئی ہے کہ بعض مواقع پر گھوڑ سواروں کو حضور ﷺ نے جو زائد حصے دیئے وہ بطور حصۂ غنیمت کے نہیں بلکہ مال خمس سے بطور انعام کے دیا،۔۔۔ نیز روایات سے دو حصہ ملنا تو یقینی طور پر ثابت ہے مگر تین حصے میں شک ہے، اس لئے شک کی بنا پر تین حصے کا فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔

علاوہ ازیں عقلی اعتبار سے اس میں نقص یہ ہے کہ اگر انسان کے لئے ایک حصہ اور سواری کے لئے دو حصے مقرر کئے جائیں تو لازماً سواری کی اہمیت انسان سے زیادہ ظاہر ہو گی، جو اس کے منصب اشرف المخلوقات کے منافی ہے ، نیز کوئی بھی سواری انسانی عقل و دماغ کے تحت کام کرتی ہے، خواہ جنگی جانور ہو یا

---

[60] - سنن أبي داود ج ٣ ص ٢٨ حديث نمبر:٢٧٣٨ المؤلف : أبو داود سليمان بن الأشعث السجستاني الناشر : دار الكتاب العربي ـــ بيروت عدد الأجزاء : 4

جنگی مشین دونوں بجائے خود کچھ اہمیت نہیں رکھتے، بلکہ انسان کی حکمت اور ناخن تدبیر کے تحت ان کی افادیت ہے، امام اوزاعیؒ کے فلسفے میں انسان سے زیادہ دوسری مخلوق کو اور اصل سے زیادہ واسطوں کو اہمیت دی گئی ہے، جو ناقابل فہم ہے۔[61]

دوران جنگ دارالحرب میں شہید ہونے والوں کا حصہ

☆ امام اوزاعی کی رائے میں جو لوگ دوران جنگ دارالحرب میں شہید ہو جاتے ہیں مال غنیمت میں ان کو بھی حصہ ملے گا، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے موقعہ پر ایک شہید شخص کو مال غنیمت سے حصہ دیا تھا۔[62]

حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ مال غنیمت صرف زندہ لوگوں کے لئے ہے ، شہید ہو جانے والوں کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے، ان کے ورثہ اس میں حق وراثت کا دعویٰ نہیں کرسکتے، اس لئے کہ مال غنیمت میں فوجیوں کا حق حق ضعیف ہے، اس میں احراز کے بغیر قوت نہیں آتی، اس لئے وہ قابل وراثت نہیں ہے ، اسی لئے نبی کریم ﷺ نے بدر، احد، حنین، اور خیبر کسی بھی جنگ میں شہدا کا حصہ مقرر نہیں فرمایا، اگر کسی موقعہ پر کو کچھ عطا فرمایا، تو وہ بطور انعام حضور ﷺ کی خصوصیت تھی ، عام دستور یہ نہیں تھا،

---

61 ۔ کتاب الرد علیٰ سیر الاوزاعی للامام ابی یوسف □ ص ۲۱ مع حاسیہ ۔ الافغانیؒ

62 ۔ کتاب الرد علیٰ سیر الاوزاعی للامام ابی یوسف □ ص ۲۳،

امام ابو یوسفؒ نے امام زہریؒ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ کسی بھی جنگ میں حضور ﷺ نے شہدا کو شریک غنیمت نہیں فرمایا۔۔۔عبیدہ بن الحارثؓ کا انتقال بدر کے موقعہ پر واپسی میں مدینہ سے پہلے مقام صفراء پر ہو گیا تھا ،ان کو بھی غنیمت سے حصہ نہیں دیا گیا،[63]

مال غنیمت میں فوجی کمک کا حصہ

☆دارالحرب میں پہلے سے بر سر پیکار فوج کی مدد کے لئے جو فوج پیچھے سے جاتی ہے،وہ اگر پہلی فوج کے دارالحرب سے نکلنے سے قبل اس سے جاملتی ہے ،تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک پہلی فوج کی مالی فتوحات میں دوسری فوج بھی برابر کی حصہ دار ہو گی، لیکن امام اوزاعیؒ کی رائے میں دوسری فوج کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہو گا،جب تک کہ جنگ میں جاکر شریک نہ ہو،ورنہ یہ دونوں الگ الگ مہم مانی جائے گی،امام اوزاعیؒ کہتے ہیں کہ ارض روم کی جنگی مہموں میں متعدد افواج مختلف علاقوں میں بر سر پیکار تھیں ، لیکن مال غنیمت میں ان کو ایک نہیں مانا گیا[64]۔

لیکن حضرت امام ابو یوسفؒ نے متعدد روایات وآثار سے ثابت کیا ہے کہ ایک مہم میں الگ الگ پہونچنے والی ٹکڑیوں کو ایک ہی تصور کیا جائے گا،اس

---

63 ۔ کتاب الرد علیٰ سیر الاوزاعی للامام ابی یوسف □ ص ۲۴،

64 ۔ کتاب الرد علیٰ سیر الاوزاعی للامام ابی یوسف □ ص ۳۵،

لئے کہ ہدف ایک ہے، منزل ایک ہے، ایک کو دوسرے سے ہمت وطاقت ملتی ہے، یہ صرف وقفات کا فرق ہے کہ الگ الگ وقتوں میں ٹیمیں پہونچتی ہیں، پہلی ٹیم دوسری کی مدد سے فتح حاصل کرتی ہے، ایسا نہیں ہے کہ دوسری ٹیم کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے، رسول اللہ ﷺ نے اہل اوطاس اور اہل حنین کی غنیمت کو ایک قرار دیا،

حضرت عمر بن الخطابؓ نے حضرت سعد بن الوقاصؓ کو لکھا کہ میں نے آپ کی مدد کے لئے ایک فوج بھیجی ہے، اگر لاشوں کے پھٹنے سے پہلے وہ پہونچ جائے تو اس کو غنیمت میں شریک کیجئے، [65]

حضرت ابو بکر الصدیقؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں زیاد بن لبیدؓ اور مہاجر بن امیۃ کی مدد کے لئے عکرمہ بن ابی جہل کو پانچ سو (۵۰۰) مسلم فوجیوں کے ساتھ بھیجا، یہ لوگ پہونچے تو یمن میں نجیر کا علاقہ فتح ہو چکا تھا، زیاد بن لبید (یہ اہل بدر میں سے تھے) نے ان کو مال غنیمت میں شریک کیا، امام شافعیؒ کہتے ہیں

---

[65] - : سنن البيهقي الكبرى ج ۹ ص ۵۰ حديث نمبر:۱۷۷۳۴ المؤلف : أحمد بن الحسين بن علي بن موسى أبو بكر البيهقي الناشر : مكتبة دار الباز – مكة المكرمة ، 1414 – 1994 تحقيق : محمد عبد القادر عطا عدد الأجزاء : 10

کہ یہ زیاد بن لبید نے اپنے طور پر کیا تھا ورنہ حضرت ابو بکر الصدیقؓ نے ان کو فرمایا تھا کہ غنیمت اسی کو ملے گی جو واقعہ میں شریک ہو[66]۔

فوج میں شریک عورتوں اور نابالغ بچوں کا حصہ

☆ فوج میں جو عورتیں باقاعدہ جنگ کے لئے نہیں بلکہ زخمیوں کی دیکھ بھال اور دواعلاج کے لئے شریک ہوں اور ان کی شرکت سے لوگوں کو فائدہ پہونچے، یانابالغ بچے شامل ہوں امام اوزاعی کے نزدیک یہ خواتین اور بچے بھی مال غنیمت میں حصہ دار ہونگے، امام ابو حنیفہؒ باقاعدہ عورتوں اور بچوں کی حصہ داری کے قائل نہیں ہیں، البتہ بطور بخشش کے ان کو دیا جاسکتا ہے جو عام شریک فوجیوں کے حصے سے کم ہو گا، امام شافعیؒ بھی اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہ کے ہم خیال ہیں[67]

امام اوزاعیؒ نے خیبر والی روایت سے استدلال کیا ہے، ابو داؤد وغیرہ میں حشرج بن زیاد کی دادی کی روایت ہے وہ بیان فرماتی ہیں کہ ہم کچھ عورتیں خاموشی سے غزوۂ خیبر میں شریک ہوگئی تھیں، رسول اللہ ﷺ کو خبر ہوئی تو سخت ناراض ہوئے اور دریافت فرمایا: تمہاری شرکت کی غرض؟ ہم نے عرض کیا، مسلمانوں کی مدد کرنا، ہمت بڑھانا اور زخمیوں کا دواعلاج کرنا، جب خیبر فتح ہوا تو

---

[66] -حوالۂ بالا حدیث نمبر : ١٧٧٣١۔

[67] -کتاب الام ج ٩ ص ١٨٠ ۔

حضور ﷺ نے ہمیں بھی حصہ مرحمت فرمایا،[68]، مگر محدثین نے اس روایت کو سند کے اعتبار ضعیف اور نا قابل استدلال قرار دیا ہے[69] ۔

ایک اور روایت مکحول اور خالد بن معدان سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں اوبچوں کو بھی حصہ دیا، مگر بیہقی نے اس کو بھی منقطع اور نا قابل قبول قرار دیا ہے[70]۔

اس مسئلہ میں سب سے مضبوط روایت حضرت ابن عباسؓ کی ہے جس کو حنفیہ نے اپنا مستدل بنایا ہے:

قَدْ كُنَّ يَحْضُرْنَ الْحَرْبَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ –صلى الله عليه وسلم– فَأَمَّا أَنْ يُضْرَبَ لَهُنَّ بِسَهْمٍ فَلاَ وَقَدْ كَانَ يُرْضَخُ لَهُنَّ.[71]

---

[68] -ابوداؤد كتاب الجهاد ج ٣ ص ٣٢٣ – ٣٢٤ حدیث نمبر:٢٧٢٣،ابن ابی شیبۃ کتاب الجہاد ج ٧ ص ٢٨ ٧

[69] **سنن البيهقي الكبرى ج ٦ ص ٣٣٢ المؤلف : أحمد بن الحسين بن علي بن موسى أبو بكر البيهقي الناشر : مكتبة دار الباز – مكة المكرمة ، 1414 – 1994 تحقيق : محمد عبد القادر عطا عدد الأجزاء : 10**

[70] حوالۂ بالا۔

[71] **- : سنن أبي داود ج ٣ ص ٢٦ حدیث نمبر : ٢٧٣٠ المؤلف : أبو داود سليمان بن الأشعث السجستاني الناشر : دار الكتاب العربي ــ بيروت عدد الأجزاء : 4 ، مسند أبي يعلى ج ٤ ص ٤٢٣ حدیث نمبر : ٢٥٥٠ المؤلف : أحمد بن علي بن المثنى أبو يعلى الموصلي التميمي الناشر : دار المأمون للتراث –**

ترجمہ: عورتیں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ میدان جنگ میں حاضر ہوتی تھیں مگر ان کو حصہ نہیں دیا جاتا تھا، بس بطور بخشش کچھ دے دیا جاتا تھا۔

اسی روایت کے اگلے ٹکڑے میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے بچوں کے حصے کی بھی نفی کی ہے:

وأنه لا حق للصبي في المغنم حتى يحتلم[72]

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اس موضوع پر بہت سی روایات موجود ہیں، اگر طول کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں ان سب کو بیان کرتا۔[73]

جنگ میں شریک غیر مسلموں کا حصہ

☆جمہور فقہاء کے قول کے مطابق جنگ میں بوقت ضرورت غیر مسلموں سے فوجی مدد لی جاسکتی ہے، لیکن کیا ان کو مال غنیمت میں بھی عام فوجیوں کی طرح حصہ دار بنایا جائے گا؟۔۔۔۔حضرت امام اوزاعیؒ ان کو بھی برابر درجہ کا شریک قرار دیتے ہیں، جبکہ حنفیہ بطور بخشش کچھ دینے کے قائل ہیں باقاعدہ حصہ نہیں، امام شافعی کا بھی یہی خیال ہے۔[74]

دمشق الطبعة الأولى ، 1404 – 1984 تحقيق : حسين سليم أسد عدد الأجزاء : 13 اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

72 ۔حوالۂ بالا۔

73 ۔۔ کتاب الرد علیٰ سیر الاوزاعی للامام ابی یوسف ☐ ص ۳۸،

74 ۔ کتاب الام ج ۹ ص ۱۹۹ ۔

امام، اوزاعیؒ نے ان روایات سے استدلال کیا ہے جن میں حضور ﷺ کی طرف سے مدد گار غیر مسلموں کو مال غنیمت سے دینے کا ذکر ہے، مگر یہ تمام روایات منقطع، یا ضعیف اور نا قابل اعتبار ہیں، یا ان کا محمل یہ بیان کیا گیا ہے کہ ان کو بطور بخشش کے دیا گیا، نہ کہ بطور حصہ، اس سلسلے میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت بہت صریح ہے جس کو حنفیہ نے اپنا ماخذ بنایا ہے کہ:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ : اسْتَعَانَ رَسُولُ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- بِيَهُودِ قَيْنُقَاعَ فَرَضَخَ لَهُمْ وَلَمْ يُسْهِمْ لَهُمْ.[75]

ترجمہ: حضور ﷺ نے قینقاع کے یہودیوں سے جنگ میں مدد لی مگر ان کو باقاعدہ حصہ دار نہیں بنایا، بلکہ بطور بخشش کے دیا۔

☆امام اوزاعی غیر مسلموں کے حق میں کافی نرم گوشہ رکھتے ہیں، اس کا ایک مظہر یہ ہے کہ غیر مسلم سرزمین پر مسلمانوں کی جنگی کارروائی کے دوران کوئی غیر مسلم اسلام قبول کرلے اور مسلم فوج سے آملے، تو خواہ وہ اختتام جنگ کے بعد آیا ہو لیکن اگر مال غنیمت کی تقسیم باقی ہے تو اس نو مسلم کو بھی اس میں

---

[75] - السنن الكبرى وفي ذيله الجوهر النقي ج۹ ص ۳٦ حدیث نمبر:۱۸۳۳۴ المؤلف : أبو بكر أحمد بن الحسين بن علي البيهقي مؤلف الجوهر النقي: علاء الدين علي بن عثمان المارديني الشهير بابن التركماني المحقق : الناشر : مجلس دائرة المعارف النظامية الكائنة في الهند ببلدة حيدر آباد الطبعة : الطبعة الأولى ـــ 1344 هـــعدد الأجزاء : 10

حصہ دار بنایا جائے گا۔۔۔۔حنفیہ کے نزدیک جب تک کہ وہ جنگ میں حصہ نہ لے اسے مال غنیمت میں حصہ دار نہیں بنایا جائے گا،امام شافعیؒ اس مسئلے میں بھی حنفیہ کے ہم خیال ہیں[76]۔

امام ابو یوسفؒ اس پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ایک طرف امام اوزاعی پیچھے سے آنے والی کمک کو مال غنیمت میں حصہ دار نہیں بناتے، مگر بغیر شرکت جنگ کے نو مسلم کو حصہ دار قرار دیتے ہیں، حیرت انگیز بات ہے[77]

☆اسی ضمن میں ایک اور مسئلہ قابل ذکر ہے کہ دارالحرب میں (جبکہ مسلمانوں کی جنگی مہم وہاں جاری ہو)کسی مسلم تاجر سے متاثر ہو کر اگر کوئی غیر مسلم اسلام قبول کرلے اور پھر یہ دونوں لشکر کے ساتھ آملیں ،تو امام اوزاعیؒ اس صورت میں بھی دونوں کو مال غنیمت کا حقدار قرار دیتے ہیں،حنفیہ اور شافعیہ بغیر شرکت جنگ کے مال غنیمت میں حصہ داری کے قائل نہیں ہیں،جو اصول کے مطابق ایک معقول بات ہے[78]۔

جنگ میں مقتول دشمن کا سامان

☆ جنگ میں کوئی مسلمان کسی دشمن کو قتل کرتا ہے تو اس کا

---

[76] ۔ کتاب الام ج ۹ ص ۲۰۴ ۔

[77] ۔ کتاب الرد علیٰ سیر الاوزاعی للامام ابی یوسف □ ص ۴۴، ۴۵۔

[78] حوالۂ بالا ص ۴۵۔

سازوسامان امام اوزاعیؒ کے نزدیک قاتل کو ملے گا،ان کے نزدیک یہی دستور جنگ ہے ،جبکہ حنفیہ کا موقف یہ ہے کہ اگر امام نے اس طرح کا پیشگی کوئی اعلان نہ کیا ہو تو مقتول کا سامان بھی مال غنیمت میں شامل ہو گا اور تمام شرکاء میں تقسیم کیا جائے گا، البتہ کسی جنگ میں حربی مصالح کے تحت امیر کی طرف سے پیشگی اعلان کر دیا جائے کہ جو جس کو قتل کرے گا اس کا سازوسامان اسے ہی دیا جائے گا،تو صرف اس جنگ کی حد تک یہ اعلان مؤثر ہو گا، مگر یہ دائمی دستور نہیں بنے گا[79]۔۔۔۔

رسول اللہ ﷺ نے جنگ بدر وغیرہ کے موقعہ پر قاتلوں کے لئے مقتول کے سامان کا پیشگی اعلان فرمایا تھا اس لئے قتل کرنے والوں کو مقتول کا سامان دلوایا گیا حضور ﷺ نے اعلان فرمایا تھا:

من قتل قتيلا له عليه بينة فله سلبه[80]۔

---

[79] - : بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ج١٥ ص ٣٣٧ تأليف: علاء الدين أبو بكر بن مسعود الكاساني الحنفي 587هـ دار الكتب العلمية – بيروت – لبنان الطبعة الثانية 1406هـ – 1986م محمد عارف بالله القاسمي

[80] - الجامع الصحيح المختصر ج ٣ ص ١١٤٤حدیث نمبر :٢٩٧٣ المؤلف : محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر : دار ابن كثير ، اليمامة – بيروت الطبعة الثالثة ، 1407 – 1987 تحقيق : د. مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة – جامعة دمشق عدد الأجزاء : 6 مع الكتاب : تعليق د. مصطفى ديب البغا

کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی پیشگی اعلان کے بغیر مقتولین کا سامان قاتلوں کو دیا گیا ہو۔

قیدیوں کی امان کا مسئلہ

☆فوج نے دارالحرب سے چند قیدیوں کو گرفتار کیا جن میں عورتیں اور بچے وغیرہ بھی تھے اور ان کو دارالاسلام لے آئے ،اور حسب ضابطہ مال غنیمت میں شامل کر دیا گیا،اب مسلمانوں میں سے ایک دو آدمی دعویٰ کرتے ہیں کہ فلاں اور فلاں یا ان سب کو میں نے پہلے ہی امان دے رکھی ہے،تو اس صورت حال میں ان کی بات کی تصدیق کی جائے گی یا نہیں؟

امام اوزاعیؒ کی رائے میں ان مسلمانوں کی تصدیق کی جائے گی اور تمام متعلقہ قیدیوں کو رہا کر دیا جائے گا، اس لئے کہ قیدیوں کے بارے میں اسلامی ہدایت یہ ہے کہ مسلمانوں کے ادنی سے ادنیٰ فرد کی امان بھی قابل قبول ہے ،رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

الْمُسْلِمُونَ تَتَكَافَأُ دِمَاؤُهُمْ يَسْعَى بِذِمَّتِهِمْ أَدْنَاهُمْ[81]

ترجمہ:مسلمانوں کے خون کی مکافات کی جائے گی اوران کے ادنیٰ فرد کے ذمہ کی رعایت کی جائے گی۔

---

[81] - سنن أبي داود ج۳ ص ۳۴حدیث نمبر :۲۷۵۳ المؤلف : أبو داود سليمان بن الأشعث السجستاني الناشر : دار الكتاب العربي ـــ بيروت عدد الأجزاء : 4

حدیث میں کوئی قید نہیں ہے کہ ثبوت لیکر آئے تب اس کی امان قبول کی جائے گی۔

ان کے بالمقابل حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ اس صورت حال میں بغیر معتبر ثبوت کے ان کی تصدیق نہیں کی جائے گی، درست ہے کہ امان کے معاملے میں ہر مسلمان کا ذمہ قابل قبول ہے، اور یہ اس کے ذمہ کو چیلنج نہیں ہے، بلکہ صورت حال کی تحقیق ہے، آخر ایک فاسق شخص کی بات کیوں معتبر نہیں ہوتی؟ کوئی عورت یا نابالغ بچہ امان دے، یا قیدیوں کے ساتھ جس کی سابقہ قرابت قائم ہو وہ اگر دعوئ امان کرے تو بغیر ثبوت کے ان حضرات کا دعویٰ معتبر نہیں ہوتا ۔۔۔جب کہ یہ سب مسلمان ہیں، یہاں قیدی مال غنیمت کا حصہ بن چکے ہیں ،مسلمانوں کا حق ان سے وابستہ ہو چکا ہے، اب ان کا دعوئ امان ظاہر حال کے خلاف ہے، اس لئے تحقیق حال ضروری ہے، اور جب بھی ظاہر حال کے خلاف کوئی دعویٰ سامنے آئے گا اس کی تحقیق کی جائے گی اور بغیر ثبوت کے اس کا اعتبار نہ ہوگا ،اس کی ایک مثال یہ ہے کہ بدر کے قیدیوں میں ایک قیدی حضرت عباسؓ نے اپنے مسلمان ہونے کا دعویٰ کیا، تاکہ ان کو فدیہ سے مستثنیٰ کر دیا جائے تو اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

الله أعلم بإسلامك ، إن يك ما تقول حقا فالله يجزيك به ، فأما ظاهرك فكان علينا ، فافد نفسك »

ترجمہ: اللہ کو آپ کے اسلام کی زیادہ خبر ہے، اگر یہ سچ ہے تو اللہ آپ

کو اس کا بدلہ دے گا، لیکن ہمارے سامنے آپ کی جو ظاہری صورت حال ہے اس میں آپ کو فدیہ سے مستثنیٰ نہیں کیا جا سکتا۔

اسی طرح حضرت عباسؓ کا بیس (۲۰) اوقیہ سونا ضبط ہو کر مال غنیمت میں شامل ہو گیا تھا، حضرت عباس نے کہا کہ اس کو میرے فدیہ میں شمار کر لیا جائے، ان کی یہ درخواست بھی مسترد کر دی گئی، اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لا ذلك شيء أعطانا الله منك

ترجمہ: نہیں، یہ تو اللہ نے آپ سے ہمیں عطا فرمایا ہے۔

حضرت عباسؓ کو الگ سے پورا فدیہ ادا کرنا پڑا، اور ان کا دعوائے اسلام اور مال غنیمت میں ضبط شدہ ان کا مال ان کی ذات میں کام نہ آیا[82]

زیر بحث مسئلہ کے لئے یہ ایک بہترین نمونہ ہے۔

جنگ کے وقت اگر دشمن مسلم بچوں کو ڈھال بنالیں

☆ قلعہ کے محاصرہ یا جنگ کے وقت اگر دشمن مسلم قیدی بچوں کو ڈھال کے طور پر سامنے رکھ لیں تاکہ مسلمانوں کے حملے سے وہ بچ سکیں، ایسے موقعہ پر لشکر اسلامی کو حملہ روک دینا چاہیئے یا حملہ جاری رکھنا چاہیئے؟۔۔۔۔ امام

---

[82] - دلائل النبوة لأبي نعيم الأصبهاني ج ۱ ص ۴۹۴ حدیث نمبر: ۳۹۶ المؤلف : أبو نعيم أحمد بن عبد الله بن أحمد الاصبهاني (المتوفى : 430هـ)

اوزاعیؒ کے نزدیک ایسی صورت حال میں مسلمانوں کو حملہ بند کر دینا چاہئے، اس لئے کہ اس صورت میں خود مسلمان معصوم بچوں کو اپنے ہاتھوں شہید کر دینا لازم آئے گا، قرآن کریم میں اس کی ممانعت آئی ہے:

وَلَوْلَا رِجَالٌ مُؤْمِنُونَ وَنِسَاءٌ مُؤْمِنَاتٌ لَمْ تَعْلَمُوهُمْ أَنْ تَطَئُوهُمْ فَتُصِيبَكُمْ مِنْهُمْ مَعَرَّةٌ بِغَيْرِ عِلْمٍ[83]۔

ترجمہ :اگر مؤمن مرد اور مؤمن عورتیں نہ ہوتیں جن کو تم نہیں جانتے، کہ ان کو تم روند ڈالو، اور ان کی وجہ سے تم کو انجانے میں کوئی مصیبت پہونچے۔

حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ جنگی حکمت عملی یہ ہے کہ حملہ جاری رکھا جائے ،یہ دشمن کی چال ہے جو مسلمانوں کو مجبور کرنے اور جنگ کو ٹالنے کے لئے اختیار کی جاتی ہے ،۔۔۔امام اوزاعی کی طرف سے آیت کریمہ غلط موقعہ پر پیش کی گئی ہے ،اس لئے کہ اگر مسلمان بچوں کو قتل اور زخمی کرنا ناجائز ہے ،توخود کفار کے بچوں ،عورتوں اور بوڑھوں کے قتل سے بھی شریعت میں منع کیا گیا ہے ،[84] تیر ،بندوق ، منجنیق یا میزائل میں بچے ،عورتیں اور بوڑھے ،بیمار سب زد میں آتے ہیں ،تو پھر جنگ ہی نہ کی جائے ؟ جبکہ خود رسول اللہ ﷺ نے کھلے میدان میں

---

[83] ۔الفتح :٢٥

[84] ۔ **الجامع الصحيح المختصرج ٣ ص ١٠٩٨ حديث نمبر :٢٨٥٢ المؤلف : محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر : دار ابن كثير ، اليمامة – بيروت الطبعة الثالثة ، 1407 – 1987**

بھی جنگ کی ہے، قلعوں پر بھی حملوں کی اجازت دی ہے، خود آپ ﷺ نے اہل طائف کا مسلسل سترہ (۱۷) دنوں یا ایک ماہ تک محاصرہ فرمایا، اور بعض روایات میں جن کو علامہ عقیلیؒ نے حضرت علیؓ کے حوالے سے موصولاً نقل کیا ہے، نیز متعدد طرق سے مرسلاً بھی منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان پر منجنیق نصب فرمائی[85]۔

اسکندریہ پر حضرت عمرو بن العاصؓ کا منجنیق نصب کرنا تو بہر حال ثابت ہے[86]۔

اسی طرح قیساریہ کی فتح بھی حضرت عمر بن الخطابؓ کے زمانہ میں ہوئی ،اس میں ساٹھ (۶۰) منجنیق روزانہ پھینکی جاتی تھی، امیر لشکر حضرت معاویہؓ اور

[85] كتاب الرد على سير الاوزاعى حاشية الافغانى ج ۱ ص ۶۷، السنن الكبرى للبيهقي ج۴۵ص ۲۵۰ حديث نمبر:۱۸۵۸۶ المؤلف : أحمد بن الحسين بن علي بن موسى الخُسْرَوْجِردي الخراساني، أبو بكر البيهقي (المتوفى : 458هـ)

[86] - : بغية الباحث عن زوائد مسند الحارث بن أبي أسامة [186 – 282] ج ۲ ص ۶۸۴ حديث نمبر:۶۶۶ المؤلف : نور الدين الهيثمي [807] المحقق : د. حسين أحمد صالح الباكري الناشر : مركز خدمة السنة والسيرة النبوية – المدينة المنورة الطبعة : الأولى ، 1413 – 1992 عدد الأجزاء : 2

حضرت عبداللہ بن عمروؓ تھے[87]۔

دارالحرب میں امیر لشکر کا اسلامی سزائیں جاری کرنا

☆دارالحرب میں جنگ کے دوران اگر اہل لشکر میں سے کسی سے کوئی ایسا جرم سرزد ہو جائے، جس کے بارے میں حد وارد ہوئی ہے تو کیا امیر لشکر اپنے طور پر مجرم پر اسلامی حد جاری کر سکتا ہے؟

امام اوزاعیؒ امیر لشکر کو امیر شہر کا قائم مقام قرار دے کر اسلامی حد جاری کرنے کا اختیار دیتے ہیں، لیکن حنفیہ امیر لشکر کو یہ اختیار نہیں دیتے، ان کے نزدیک امیر شہر کی اجازت کے بغیر اجراء حد کی کاروائی نہیں کی جاسکتی ،دارالحرب میں حد جاری کرنے کا سب سے بڑا قومی خطرہ یہ ہے کہ مجرم بددل ہو کر اہل حرب سے مل سکتا ہے، یہاں شیطانی تحریض کے مواقع زیادہ ہیں، اسی لئے حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت عمیر بن سعید الانصاریؓ دارالحرب میں حد جاری کرنے سے روکتے تھے، اور اس خطرہ کی طرف اشارہ فرماتے تھے[88]۔

دوران جنگ دشمن کے درختوں کو کاٹنا

---

[87] - سنن البيهقي الكبرى ج ۹ ص ۸۴ حدیث نمبر : ۱۷۹۰۱ المؤلف : أحمد بن الحسين بن علي بن موسى أبو بكر البيهقي
الناشر : مكتبة دار الباز – مكة المكرمة ، 1414 – 1994 تحقيق : محمد عبد القادر عطا عدد الأجزاء : 10

[88] ۔ كتاب الرد على سير الاوزاعی ج ۱ ص ۸۲،

☆امام اوزاعی کے نزدیک جنگ کے دوران دشمن کے علاقے میں ہرے درختوں اور کھیتوں کو کاٹنے اور جلانے کی اجازت نہیں ہے،اس لئے کہ یہ فساد برپا کرنا ہے اور قرآن کریم میں فساد برپا کرنے سے منع کیا گیا ہے:

وَإِذَا تَوَلَّى سَعَى فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ [89]

ترجمہ:اور جب تمہارے پاس سے واپس جائیں تو زمین میں فساد مچانے اور کھیتوں اور نسلوں کو برباد کرنے کی کوشش کریں ، اللہ پاک فساد کو ناپسند فرماتے ہیں

نیز حضرت ابو بکر الصدیقؓ نے یزید بن ابی سفیان کو شام کی طرف روانہ کرتے ہوئے وصیت فرمائی :

لاتقطعوا شجرا ولاتخربوا ولاتفسدوا ضرعاً[90]

ترجمہ:کسی درخت کو نہ کاٹنا،تباہی نہ مچانا،کسی دودھ دینے والے تھن کو خراب نہ کرنا۔

لیکن حنفیہ کے نزدیک اگر کامیابی کی کوئی اور صورت نہ ہو تو جنگی حکمت عملی کے طور پر کفر کی شوکت توڑنے لئے درختوں وغیرہ کو کاٹنے کی اجازت ہے،اس لئے کہ بنو قریظہ سے جنگ کے وقت خود قرآن کریم نے اس کی اجازت

---

[89] ۔ البقرۃ :205)

[90] ـ حوالۂ بالا حاشیۃ الافغانی ☐ ص ۸۷ ۔

دی اور مسلمانوں نے اس پر عمل کیا:

مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لِينَةٍ أَوْ تَرَكْتُمُوهَا قَائِمَةً عَلَى أُصُولِهَا فَبِإِذْنِ اللَّهِ وَلِيُخْزِيَ الْفَاسِقِينَ [91]۔

ترجمہ: جو تم نے کھجور کے درخت کاٹ دیئے یا ان کی جڑوں پر کھڑے چھوڑ دیئے وہ اللہ کے حکم سے ہے تا کہ گنہ گاروں کو رسوائی کا سامنا ہو۔

البتہ اگر اسلامی افواج کے غلبہ کی امید ہو تو اس طرح کی حرکتوں کی اجازت نہیں دی جائے گی، حضرت ابو بکر صدیقؓ کی ممانعت اسی پر محمول کی گئی ہے، اس لئے کہ اسی وصیت میں ان کا یہ جملہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ:

فان اللہ ناصرکم علیہم

ترجمہ: اللہ پاک تم کو غلبہ دینے والے ہیں۔

یہی جواب امام محمد نے السیر الکبیر میں دیا ہے [92]۔

دارالاسلام میں ویزہ لیکر آنے والا شخص جرائم کا مرتکب ہو

☆ویزہ لیکر آنے والا شخص اگر کسی شدید جرم مثلاً زنا اور چوری وغیرہ کا مرتکب ہو جائے تو کیا دارالاسلام کے قانون کے مطابق اس پر حد جاری کی جائے گی؟۔۔۔امام اوزاعیؒ کی رائے یہ ہے کہ اسلامی قانون کے مطابق اس کو سزا دی جائے گی،۔۔۔جبکہ حنفیہ کے نزدیک ویزہ لیکر آنے والا شخص اسلامی قانون کا

---

[91] سورۂ حشر : ۵ ۔

[92] بحوالہ مبسوط امام سرخسی ج ۱۰ ص ۳۱ ،و کتاب الرد علی سیر الاوزاعی حاشیۃ الافغانی □ ج ۱ ص ۸۲،

پابند نہیں ہے،اور نہ اس سے یااس کے ملک سے اس طرح کا معاہدہ ہے اس لئے اسلامی حدود اس پر جاری نہیں ہو سکتیں ، جس طرح کہ دارالحرب کے سفراء اسلامی حدود سے مستثنیٰ ہیں،جب تک کہ آدمی اسلامی شہریت اور دارالاسلام کی قانونی اطاعت قبول نہ کرلے،اس وقت تک اسے اسلامی قوانین کا پابند نہیں کیا جاسکتا[93]۔

دارالحرب میں سودی کاروبار

☆ امام اوزاعی کے نزدیک اگر کوئی مسلمان دارالحرب میں ویزہ لیکر داخل ہو اور وہاں غیر مسلموں سے سودی معاملات یا عقد فاسد کرے تو یہ جائز نہیں،اس لئے کہ سود مسلمان کے لئے حرام ہے خواہ وہ کہیں بھی ہو،اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے موقعہ پر تمام سودی معاملات کو کالعدم قرار دیا اور سب سے پہلے حضرت عباسؓ کے سود کو کالعدم فرمایا۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ ،ابراہیم نخعی اور سفیان ثوریؒ کے نزدیک دارالحرب میں جو سودی معاملات یا عقود فاسدہ غیر مسلموں کی مرضی سے کیا جائے جس میں کسی قسم کا فریب نہ دیا گیا ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں،اس لئے کہ دارالحرب کے کفار قانون اسلامی کے پابند نہیں ہیں،اور یہ ان کے قانون کے مطابق جرم نہیں ہے،۔۔۔حضرت عباسؓ کے سود کو حضور ﷺ نے فتح مکہ

---

[93] ۔ كتاب الرد على سير الاوزاعى ج ١ ص ٩٦،

کے موقعہ پر ممنوع قرار دیا، جبکہ حضرت عباسؓ بدر سے پہلے ہی مسلمان ہو گئے تھے، اور مکہ والوں سے ان کا سودی کاروبار جاری تھا، لیکن حضور ﷺ نے ان کو نہیں روکا، البتہ جب مکہ دارالاسلام بن گیا تب آپؐ نے اس پر پابندی عائد فرمائی ، یہ اس بات کی واضح علامت ہے کہ دارالحرب میں سودی کاروبار کی گنجائش ہے[94]۔

امام ابو یوسفؒ واحد اس مقام پر اپنے استاذ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے بجائے امام اوزاعیؒ کے ساتھ کھڑے ہیں، لیکن امام ابو حنیفہؒ کی رائے کو مدلل کرنے کی کوشش کی ہے اور اس مسئلے میں امام اوزاعیؒ کے ہم خیال ہونے کے باوجود اپنے استاذ کے دفاع میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔

اسلام چھوڑ کر نصرانیت یا یہودیت قبول کرنے والے کا حکم

☆ اگر کوئی مسلمان مرتد ہو کر یہودی یا نصرانی ہو جائے اور کسی یہودی یا عیسائی ملک چلا جائے اور وہاں کا شہری بن جائے، تو ذبیحہ اور نکاح کے معاملے میں اس کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے گا؟

---

[94] - الجامع الصحيح المسمى صحيح مسلم ج ۴ ص ۳۹ حدیث نمبر : ۳۰۰۹
المؤلف : أبو الحسين مسلم بن الحجاج بن مسلم القشيري النيسابوري المحقق :الناشر : دار الجيل بيروت + دار الأفاق الجديدة ـ بيروت الطبعة : عدد الأجزاء : ثمانية أجزاء في أربع مجلدات ، كتاب الرد على سير الاوزاعى حاشية الافغانى □ ج ١ ص ٩٦، احکام القرآن للجصاص ج ا ص ۴۷۱،

امام اوزاعیؒ کے نزدیک جو جس قوم میں شامل ہو جاتا ہے وہ اسی کے حکم میں ہوتا ہے، اس لئے یہودیت یا نصرانیت اختیار کرنے کے بعد اب اس کے ساتھ بھی اہل کتاب کا معاملہ کیا جائے گا، اور اس کا ذبیحہ اور اس کی عورت سے نکاح کرنا درست ہو گا۔

حنفیہ کے نزدیک اسلام سے ارتداد کے بعد خواہ وہ کوئی مذہب اختیار کرلے وہ مرتد ہی رہے گا، اگر ملک میں ہے اور اسلام کی طرف واپس نہیں آتا تو واجب القتل ہے، اور اگر ملک چھوڑ کر جاچکا ہے، تب بھی اس کا ذبیحہ اور اس طرح کی عورت سے نکاح کرنا حرام ہے، اہل کتاب صرف وہ لوگ ہیں جو پیدائشی اہل کتاب ہوں یا اسلام کو چھوڑ کر اس مذہب میں نہ آئے ہوں [95]۔

امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کی رائے بھی یہی ہے [96]۔

---

[95] - السير الصغيرللامام محمد ج ١ ص ١٩ هذه النسخة بتحقيق وتعليق د. محمود أحمد غازي ونشرو طبع و توزيع: مجمع البحوث الإسلامية، الجامعة الإسلامية العالمية إسلام آباد1419هـ / 1998م ، لسان الحكام في معرفة الأحكام ج١ ص ٣٨١ إبراهيم بن أبي اليمن محمد الحنفي الناشر البابي الحلبي سنة النشر 1393 – 1973 مكان النشر القاهرة عدد الأجزاء 1

[96] - البيان والتحصيل والشرح والتوجيه والتعليل لمسائل المستخرجة ج ١٦ ص٤٣٦ المؤلف : أبو الوليد محمد بن أحمد بن رشد القرطبي (المتوفى : 450هـ) حققه : د محمد حجي وآخرون الناشر : دار الغرب الإسلامي، بيروت – لبنان الطبعة : الثانية ، 1408 هـ – 1988 م عدد الأجزاء :

امام اوزاعیؒ کی کتاب میں ان کے علاوہ اور بھی کئی نظریات موجود ہیں جن پر بحث کی جاسکتی ہے، اور ان سے علمی استفادہ کیا جاسکتا ہے، لیکن نمونہ کے طور پر جو کچھ عرض کیا گیا ان سے امام اوزاعیؒ کے مسلکی رخ اور بین الاقوامی مسائل میں ان کے ذوق ومزاج کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے، وہ ایک وسیع النظر فقیہ اور اسلام کے زبردست داعی اور نقیب تھے جن کے نظریات اسلامی قانون

---

20 (18 ومجلدان للفهارس)، تهذيب مسائل المدونة ج ١ ص ٢٣٨ المسمى التهذيب في اختصار المدونة تصنيف
أبي سعيد خلف بن أبي القاسم القيرواني البراذعي [من علماء القرن الرابع الهجري] تحقيق وتعليق :أبو الحسن أحمد فريد المزيدي ، مواهب الجليل لشرح مختصر الخليل ج ۴ص ۳۲۰ المؤلف : شمس الدين أبو عبد الله محمد بن محمد بن عبد الرحمن الطرابلسي المغربي ، المعروف بالحطاب الرُّعيني (المتوفى : 954هـ)المحقق : زكريا عميرات الناشر : دار عالم الكتب الطبعة : طبعة خاصة 1423هـ - 2003م ، الأم ج ٦ص ١٦۴ محمد بن إدريس الشافعي أبو عبد الله سنة الولادة 150/ سنة الوفاة 204 الناشر دار المعرفة سنة النشر 1393 مكان النشر بيروت عدد الأجزاء 8*4 ، الحاوي في فقه الشافعي ج ١٣ ص ١٦٨ المؤلف : أبو الحسن علي بن محمد بن محمد بن حبيب البصري البغدادي، الشهير بالماوردي (المتوفى : 450هـ) الناشر : دار الكتب العلمية الطبعة : الأولى 1414هـ - 1994 عدد الأجزاء : 18 من غير المقدمة والفهارس ،

کی ابدیت اور حقانیت کے آئینہ دار ہیں،فجزاہم اللہ عنا وعن جمیع المسلمین ۔

اختر امام عادل قاسمی

خادم جامعہ ربانی منورواشریف سمستی پور بہار